اساتذہ کے لیے تحقیق کی روشنی

3873

ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابلِ تعلیم بچے

ابتدائی مدارس میں اُن کی تعلیم

تصنیف :
ہربرٹ گولڈسٹائین

ترجمہ :
شیخ صادق علی دلاوری

Library Kulliyat ul Banat

کتابوں کے اِس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیمی تحقیق کے
ہ ترین مُفید نتائج مُرتّب کرکے اُستاد کی مدد کی جائے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز
لاہور۔ پشاور۔ حیدرآباد۔ کراچی

Ac
3873

اساتذہ کے لیے تحقیق کی روشنی

ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابلِ تعلیم بچے

اِبتدائی مدارس میں اُن کی تعلیم

تصنیف : ہربرٹ گولڈسٹائین
ترجمہ : شیخ صادق علی دلاوری
مراجعت: مولانا غلام رسول مہر

ناشر
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور، پشاور، حیدرآباد، کراچی

This is an authorized Urdu translation of THE EDUCABLE MENTALLY RETARDED CHILD IN THE ELEMENTARY SCHOOL by Herbert Goldstein. Copyright May 1962 by the National Education Association. Published by the National Education Association, Washington, D.C.

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 041297
★ MAILSI ★

FIRST EDITION
Printed in Pakistan

طبع اوّل ۱۹۶۵ء
تعداد .. .. دو ہزار ایک سو
طابع .. .. شیخ نیاز احمد
مطبع .. .. علمی پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت فی جلد .. .. ایک روپیہ پچاس پیسے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

بہ اشتراک

مؤسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن لاہور ——— نیویارک

فہرس

۱ ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابلِ تعلیم بچہ ابتدائی مدارس میں ۵
۲ قابلِ تعلیم مگر ذہناً طور پر پسماندہ بچے کی تعریف ۶
۱۔ پسماندگی کا آغاز ۸
۲۔ ؁ اپنی عددی قیمت کا مظہر نہیں۔ ۱۲
۳۔ کیا قابلِ تعلیم مگر ذہنی پس ماندہ بچوں کی شناخت سہل ہے؟ ۱۶
۴۔ پس ماندہ بچے کیسے ہوتے ہیں؟ ۱۹
۳ قابلِ تعلیم مگر ذہنی پسماندگی کے شکار بچوں کیلئے مدارس کے پروگرام ۲۰
۱۔ پس ماندہ بچے سے متعلق مسائل ۲۶
۲۔ مدرس سے متعلق مسائل ۴۱
۳۔ پس ماندہ بچے کیلئے مجموعی انتظامات ۴۴
۴۔ پروگرام کی تبدیلیاں ۴۵
۵۔ استاد کے لئے معیارِ تشخیص ۴۷

عرضِ حال

اس کتابچے کے مصنف مسٹر ہربرٹ گولڈ سٹائن الی نائے یونیورسٹی کے کالج آف ایجوکیشن میں غیر معمولی بچوں سے متعلق ادارۂ تحقیق میں تعلیم کے امدادی پروفیسر ہیں انہوں نے اس کتابچے میں تحقیقی مواد سے استفادہ کیا ہے، جس میں سکول کے مدرسین کیلئے بہت زیادہ مفید ہونے کے امکانات ہیں۔ مسٹر گولڈ سٹائن کہتے ہیں۔ کہ جو کتابچہ ذہین بچے کے بارے میں شائع ہوا تھا (کتابچہ نمبر ۱۔ مصنفہ ڈاکٹر جیمس جے۔ کالاغر) اس میں کہا گیا تھا کہ عام جماعتوں میں بعض معیاری اصولوں پر عمل دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انحراف زیادہ نمایاں صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ڈاکٹر کالاغر کے بحث کردہ اصول اور طریق ہائے کار پر انتہائی امکانی حد تک توجہ جمائے رکھنے کی کوشش کی۔ لہٰذا یہ دونوں کتابچے اس تسلسل ذکاوت کی ابتدا و انتہا کے مظہر ہیں جو باقاعدہ ابتدائی مدارس کی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں۔

ابتدائی مسودے پر کنیٹیکٹ یونیورسٹی کے مسٹر جے۔ ریمنڈ گبرک اور ضلع کولمبیا کے پبلک سکولوں کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ رچرڈ۔ آر۔ ونسٹر نے نظر ثانی کی تھی۔ اگرچہ نظر ثانی کرنے والے حضرات اور نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے عملے کی تجاویز کے مطابق اس میں تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ تاہم یہ کتابچہ مصنف کی توضیحات و سفارشات کا حامل ہے۔

ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابلِ تعلیم بچے ابتدائی مدارس میں

اگرچہ مدرسہ جانے کے قابل ذہنی طور پر پسماندہ قابلِ تعلیم بچوں کیلئے خاص جماعتوں کے انتظامات میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہے مگر ایسے بچوں کی اکثریت عام مدارس ہی میں زیرِ تعلیم ہے۔ ماہرین تعلیم کے اندازے کے مطابق ان خصوصی طریقہ ہائے تعلیم سے پسماندہ بچوں کی صرف ایک چوتھائی تعداد فائدہ اٹھا رہی ہے۔ یہ اندازہ پورے ملک کی عام مجموعی حالت پر مبنی ہے۔ مختلف ریاستوں کے اعداد و شمار میں باہم اختلاف ہیں۔ یعنی ممکن ہے۔ کسی ریاست میں یہ اوسط ایک تہائی اور کسی میں صرف دو فی صد ہو۔

پسماندہ بچوں کی تربیت کے بارے میں بڑھتا ہوا رجحان توقع دلاتا ہے کہ ان بچوں کی آئندہ نسلوں کے سلسلے میں اس تعلیم کے زیادہ مواقع فراہم ہو جائینگے جس کی ان بچوں کو ضرورت ہے۔ ملک کی جن آبادیوں، خطوں اور ریاستوں میں ابتک ایسے بچوں کیلئے مخصوص تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکا، وہاں عملے، عمارتوں اور سرمایے کی بہم رسانی کے ساتھ ساتھ تیزی سے نئے پروگراموں پر عمل ہو رہا ہے۔

لیکن فی الحال جب تک کہ خاص تربیت یافتہ مدرسین اور عمارتوں کی قلت ہے ہم ایسے ذرائع معلوم کرنے پر مجبور ہیں جن سے کام لے کر ہم اکثر ذہناً پسماندہ مگر سکول جانے کے قابل بچوں کیلئے موجودہ ابتدائی مدارس ہی میں جگہ کا انتظام کریں۔ اس انتظام سے مقصود محض یہ نہیں کہ بچے بیٹھ سکیں اور تعلیم پا سکیں۔ بلکہ اس سے زیادہ حقیقت یہ ہے کہ ان کیلئے نہایت اعلیٰ اور حد درجہ مؤثر تعلیمی پروگرام درکار ہے تاکہ بلوغ کے بعد

ان کے لئے معاشرے میں جذب ہونے اور اس کا حصہ بن جانے کا اچھا موقع مہیا ہو جائے۔

قابلِ تعلیم مگر ذہناً پسماندہ بچّے کی تعریف

قابلِ تعلیم مگر ذہناً پسماندہ بچہ وہ ہوتا ہے۔ جو عام تعلیمی مدارج میں ہم جماعتوں سے پیچھے رہ جاتا ہو۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہر پیچھے رہ جانے والے بچے کو ذہنی طور پر لازماً پس ماندہ سمجھ لیا جائے۔ یہ فرق پیشِ نظر رکھنا بے حد اہم ہے کیونکہ جماعت میں پیچھے رہ جانا یا کسی بات کا دیر میں سمجھنا بچے کے غبی ہونے کی قطعی دلیل نہیں یہ تو زیادہ گہرے اور عموماً زیادہ پُرپیچ سلسلہ شرائط میں سے صرف ایک علامت ہے۔ بعض اوقات کند ذہنی یعنی پسماندگی جذباتی مسائل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بعض حالتوں میں اس کا باعث کسی کی کمزوری تربیت و ثقافت سے محرومی اور آموزش کی ہو سکتا ہے۔ پس ماندہ بچے میں معیار سے کم کامیابی قطعی طور پر اس کے ذہنی معیار کی کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ذہناً پس ماندہ بچوں پر متذکرہ صدر حالات اثر انداز ہی نہیں ہوتے بلکہ ان حالات سے وہ بھی اسی قدر اثر پذیر ہوتے ہیں جسقدر ان کے ذہناً درست یا زیادہ ذہین ساتھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حالات پسماندہ بچوں کے پست معیار قابلیت کو پست تر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اُن اسباب کے تدارک سے، جو ذہنی کمزوری کے محرک ہیں۔ ذہناً پس ماندہ بچوں کا معیارِ کامیابی اسی طرح بلند ہو سکتا ہے جسطرح ان ذہناً درست یا زیادہ ذہین ساتھیوں کا۔

یہ نتیجہ ایک عجیب انداز میں واضح ہوا۔ جب بعض ایسے بچے زیرِ مشاہدہ آئے جو ابھی اسکول جانے کی عمر کو نہ پہنچے تھے وہ یا تو واقعی ذہنی کمزوری کا شکار تھے یا مضرت رساں

ماحول میں پرورش پا رہے تھے اِس مشاہدے کا اصل مقصود یہ تھا کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں کہ اسکول جانے سے قبل کی عمر والے بچوں کے متعلق تجربات پر عمل کر کے خراب ماحول کے منفی اثرات کو زائل کیا جا سکے؟ مشاہدے کے آخر میں یہ حوصلہ افزا نتیجہ برآمد ہوا کہ اِس عمل سے بچوں کی نمایاں تعداد نے خاطر خواہ ترقی کی یعنی نچلے درجے کے بچوں کی صلاحیت میں بتدریج اضافہ ہوا۔ اور جو بچے پسماندگی کی سرحد پر خیال کئے جاتے تھے، نہ صرف وقتی طور پر ان کی حالت بہتر ہوگئی بلکہ مستقل طور پر ان کا ذہنی معیار بھی درست ہوگیا۔ اس مشاہدے کے اہم ترین عناصر میں سے ایک عنصر بچوں کی عمر کے متعلق تھا۔ یہ بچے کم عمری میں زیر مشاہدہ لائے گئے تھے اور پوری تندہی سے ان کا علاج کیا گیا تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے اسکول جانے کے قابل پس ماندہ بچوں کی تربیت میں بطور خاص سامنے رکھنا چاہیئے۔

پس ماندہ بچوں کی نمایاں خصوصیت انکی دماغی کمزوری ہے۔ یہ کمزوری اطلاق درس میں خاص طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ایسے بچوں کی ترقی میں یکسانی نہیں پائی جاتی۔ دماغی کمزوری کے ضروری عناصر (بحث و تمحیص کی محدود قابلیت۔ قیاسی مسائل کا قبول کر لینا، ناگزیر حقائق کا احساس اور اس کے مطابق ان کا اثر) ذہنی پس ماندگی کی اہمیت کا اندازہ کرنے میں مدد دیتے ہیں اور مسائل کے سمجھنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت مہیا کرتے ہیں۔ وہ بچہ جو کند ذہنی سے قریب ہو ابتدائی جماعتوں میں پس ماندہ بچوں کی نسبت ذہین بچوں سے زیادہ مشابہ ہوگا۔ ممکن ہے ایسا بچہ بظاہر پیچھے رہ جانے والا نہ معلوم ہو جب تک وہ مدرسے کے تیسرے درجے میں نہ پہنچ جائے۔ اس بچے کا کم صلاحیت رکھنے والا ہم جماعت ممکن ہے تجربے کی رو سے پہلی جماعت کے آخر تک ہی نظروں میں آجائے اور دوسری جماعت میں اس کے صحیح مقام کا یقین ہو سکے۔ لیکن ہم ایک بار پھر دہرانا

چاہتے ہیں کہ اگر استاد درس میں پیچھے رہ جانے والے بچے کو کند ذہن بچوں میں شمار کریگا تو اس کا اندازہ غلط ہوگا ۔ البتہ وہ ان اقدامات میں حق بجانب ہوگا جن کے ذریعے پس ماندہ بچوں کو دوسرے بچوں سے جدا کیا جاسکے تاکہ ان کی اصلاح کے لئے مؤثر اور صحیح طریقِ کار اختیار کیا جاسکے ۔

پسماندگی کا آغاز

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قابلِ تعلیم پس ماندہ بچوں کی شناخت کا بہترین موقع ابتدائی درجات میں ان کا معیارِ ترقی اور طریقِ کار ہے ۔ اس کے علاوہ بچے کی صحیح ذہنی صلاحیت کا تعین ماہرین نفسیات کا کام ہے ۔ ماہر نفسیات صحیح اقدامات و مشاہدات سے پسماندہ بچے کو ان بچوں سے علیحدہ کرنے کے بہتر مواقع رکھتا ہے جو ذہنی کمزوری کے علاوہ دیگر وجوہ کی بنا پر پس ماندہ معلوم ہوتے ہیں ۔

ہمیں لیبل لگانے پر احتیاط کرنی چاہیئے

بچے کی ذہنی صلاحیت کا تجربہ اوّل تو اسکی پس ماندگی کو درجۂ یقین تک ثابت

کرنے میں مدد دیتا ہے۔ دوسرے اس کے درجۂ پس ماندگی کا یقین کرنے کے لئے مواد مہیا کرتا ہے۔ یہ بات اول الذکر امر سے اہم تر ہے۔ علاوہ ازیں جہاں خصوصی درجہ ہائے تعلیم مہیا ہوں وہاں اس درجۂ پس ماندگی کا تعین استاد کے لئے بہت اہم ہے۔ نفسیاتی معیار کے نتائج مدرس کو ان امور سے آگاہ کرتے ہیں جن سے آگاہ ہو کر وہ تعلیمی تدابیر اور اُطاق درس میں تنظیم کار مقرر کرتا ہے اس کے برعکس جہاں خصوصی جماعتیں ہوں یا جہاں ایسی جماعتیں ضرورت سے زیادہ گنجان ہوں وہاں اغلب ہے پس ماندہ بچے کو عام جماعت میں رہنا ہوگا۔ اس صورت میں اس کے درجۂ پس ماندگی کا تعین پسماندگی کا لیبل لگا دینے کی نسبت زیادہ ضروری ہوگا اور اِس کے طریقِ کار سے اُستاد اس سے تعلیمی پروگرام کو ترتیب دینے میں مدد حاصل کریگا۔

انتظامی اور قانونی وجوہ کی بنا پر بہت سے درسی اداروں نے ذہنی جانچ کے لئے معیار ذہانت (IQ) کے حدود قائم کیے ہیں جن بچوں کے لئے اِس معیار ذہانت (IQ) کے اعداد ۳۰ اور ۵۰ کے درمیان ہوں وہ عموماً قابل تربیت مگر ذہنی طور پر پسماندہ بچے سمجھے جاتے ہیں جن بچوں کے یہ اعداد ۵۰ اور ۷۰ کے درمیان ہوں انہیں قابل تعلیم مگر ذہنی پس ماندگی میں مبتلا یا قابلِ ترقی ذہنی کمزوری میں مبتلا سمجھا جاتا ہے۔ ۷۵ اور ۹۰ کے درمیان اعداد رکھنے والے بچے سُست تربیت پانے والے شمار کئے جاتے ہیں۔

عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ معیار ذہانت (IQ) کے یہ حدود محض نفسیاتی تجزیہ کے ذریعے حاصل کردہ اعداد سے تجاوز کرتے ہیں۔ اِس طرح اختیار کردہ اعداد و شمار اُن تمام خصوصیات کے مظہر ہیں جو مکمل نفسیاتی امتحان سے آشکار ہوتی ہے۔ لیکن اس امر میں ایک مستقل خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں اُن اعداد کو کسی طلسمی

خصوصیت کا حامل نہ سمجھ لیا جائے اور اس طرح یہ اعداد بچوں کے معیارِ ذہانت اور طریقِ کار کا فیصلہ کرنے میں ایک مستقل معیار کی حیثیت اختیار نہ کر لیں۔ مثلاً ممکن ہے بعض ادارے (I.Q) ۷۵ عدد والے بچے کو درجۂ خصوصی میں قبول کر لیں لیکن ۷۶ یا ۷۷ عدد والے بچے کو مسترد کر دیں۔ جہاں کہیں یہ بات دیکھنے میں آئے گی وہاں یہی سمجھنا ہو گا کہ اس ٹھکراؤ کی وجہ انتظامی مجبوریاں ہیں، جو طلبہ کی کثرت کے باعث پیدا ہوئی ہیں اور انہیں حالات کی بنا پر انتظامیہ اس درجہ من مانا امتیاز قائم کرنے پر مجبور ہے۔ جہاں حقیقتاً کسی امتیاز کی گنجائش نہیں۔ ارکانِ انتظامیہ خود سب سے پہلے تسلیم کریں گے کہ حقیقت حال یہی ہے۔

اس سلسلے میں جس چیز سے بچنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ غیر ضروری طور پر ایسے امتیازی تخیل کو روا نہ رکھا جائے۔ مثال کے طور پر باقاعدہ اطاقِ درس میں مدرس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بچے کے پیچھے رہ جانے کا سبب کیا ہے اور اس کے طریقِ کار میں کون سی خامی ہے۔ درجۂ پسماندگی کا اندازہ اور بھی زیادہ ضروری ہے تاکہ واقعیت پر مبنی توقعات قائم کی جا سکیں۔ اور ان کے پیشِ نظر موزوں پروگرام ترتیب دیا جائے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ بچوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے کیلئے مدرس سختی سے معیارِ ذہانت (I.Q) کے اعداد و شمار کی بناء پر کار فرما ہو۔ اس کے برعکس مدرس کے لیے یہ جاننا لازم ہے کہ کون سا بچہ سمجھ بوجھ کے اعتبار سے کس حد تک کمزور ہے اور تعلیمی و معاشی مسائل کو سمجھنے میں کیا طریقِ کار اختیار کرتا ہے۔ ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مدرس کیلئے اپنے شاگردوں کے معیارِ ذہانت (I.Q) کے اعداد کا جاننا ضرر رساں ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کسی استاد کو اپنے شاگردوں کے بارے میں جس قدر زیادہ معلومات ہوں گی اسی قدر اس کے فیصلے دانشمندانہ اور موثر ہوں گے۔ یہ اعداد

صرف ایک حد تک اِستعمال کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اُن سے رفتارِ آموزش کے متعلق توقعات قائم کی جا سکتی ہیں۔ یہ اعداد بچے کی ذہنی عمر کا اندازہ کرنے میں اُستاد کو مدد دیتے ہیں، یوں پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خاص تعلیمی سرگرمیوں کے لیے کس حد تک تیار ہے۔ نیز اِسکی روش کی توضیح ہوتی ہے۔

جدول نمبر ۱ میں اندازہ پیش کیا گیا ہے کہ اگر کسی آبادی کے سکول جانے کے تمام بچوں کا جائزہ سٹینفورڈ بینے (Stanford-Binet) کے مجوزہ طریقِ اِمتحان ذہانت کی بنا پر لیا جائے تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اِس جدول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مختلف الحیثیت گروہوں میں ذہانت کی مختلف سطحیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے بچوں کا تناسب کیا ہوگا۔ پبلک سکولوں کے ذہنی پسماندہ بچوں کی چھان بین سے ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ایسے بچوں کی خاصی تعداد کا تعلق آبادی کے اس حصّے سے ہوگا۔ جو بہ اعتبار معاش و معاشرت عام سطح سے نیچے ہوگا۔

جدول نمبر ۱:- مختلف ذہنی سطحوں پر طلبہ کی تعداد کے تخمینی تناسبات۔

سکول کے طلبہ کی تعداد کا فی صد۔

Stanford-Binet	متوسط تا اعلےٰ معاشی و معاشرتی آبادی	عام سطح سے نیچے کی معاشی و معاشرتی آبادی	پیشہ ورانہ توقعات
معیار ذہانت (I.Q) ۸۵ سے کم	۱۶ تا ۲۰	۲۵ تا ۴۰	نصف تربیت یافتہ یا غیر
" " ۸۰ " "	۱۰ تا ۱۲	۱۵ تا ۲۰	تربیت یافتہ کیلئے ملازمتیں یا
" " ۷۵ " "	۳ تا ۴	۶ تا ۷	مزدوری غیر تربیت یافتہ
" " ۵۰ " "	۱ تا ۲	۱ تا ۲	کام محفوظ کارگاہیں یا زیرِ نگرانی ماحول

واضح رہے کہ جدول نمبر ۱ کے اعداد و شمار محض تخمینی ہیں اور بعض اوقات یہ اعداد مختلف جماعتوں یا مقامات کے تعلق میں نمایاں طور پر مختلف ہو سکتے ہیں حال ہی میں تین مختلف علاقوں، دو دیہاتی اور ایک شہری ۔ کے درجہ اوّل ۔ ذہانت ساٹھ اور پچاسی کے درمیان کا جائزہ لیا گیا ۔ پتہ چلا کہ جائزے سے پیشتر ان حدود ذہانت میں درجۂ اوّل کا تناسب پندرہ فی صد کے قریب تھا ۔ لیکن جب سٹینفورڈ بینے (Samford Binet) کے طریق پر جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ دونوں دیہاتی علاقوں میں تناسب بالترتیب پانچ اور سات فی صد اور شہری علاقے میں دس فی صد تھا۔ ان نتائج اور جدول نمبر ۱ کے اعداد و شمار میں فرق کا باعث ان علاقوں کی یگانہ نوعیت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دیہاتی علاقوں میں زرعی رقبوں کی بہتات تھی ۔ اور ایسے خاندان چند ہی تھے ۔ جو معاشی و معاشرتی اعتبار سے فروتر درجہ رکھتے تھے ۔ شہری علاقے میں بھی یہی صورت کارفرما تھی ۔ لیکن ایسے علاقوں کے اعداد و شمار جن کا موقع اور محل اتنا بہتر نہ ہوگا، غالباً جدول نمبر ۱ میں پیش کردہ تخمینوں سے ملتے جلتے ہونگے اور بہت زیادہ پس ماندہ حلقوں اور مقامات کے اعداد غالباً اس سے بھی بڑھ جائیں ۔

۷۰ اپنی عددی قیمت کا مظہر نہیں

ممکن ہے یہ عنوان ایک حسابی معمّہ معلوم ہو۔ لیکن دراصل یہ اُن ذہنی امتحانات کے نتائج پر مبنی ہے ۔ جن میں معیار ذہانت کے متعلق صرف اعداد کو سامنے رکھا جاتا ہے یکساں معیار رکھنے والے بچوں کی ترقی میں اختلاف یا تو معیار ذہانت جانچنے کے طریق کار میں فرق کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ یا ذہنی معیار کے امتحانوں میں اختلاف کی وجہ سے بہت سے

امتحان ذہانت کے تصورات میں فرق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ سٹینفورڈ بینے (Sanford Binet) کا طریق جو غالباً انفرادی ذہانت کا ایسا پیمانہ ہے۔ جسے اکثر سکول جانے والے بچوں کی ذہانت جانچنے کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ اس کا انحصار زیادہ تر زبانی گفتگو پر ہے۔ ایک طریق امتحان Wechsler - Intelligence Scale for Children کہتے ہیں قول اور عمل دونوں طریقوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی طریقے ہیں۔ جو صرف فعل سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ معیارِ ذہانت (IQ) کے لئے ۷۰ ہو یا کوئی اور عدد اس کی صحت کا انحصار صرف طریق امتحان پر ہے۔

طریقِ امتحان میں فرق کے ساتھ ساتھ ہمیں امتحانوں کے فرق بھی مدِ نظر رکھنے چاہیئں۔ مثلاً سٹینفورڈ بینے Stanford-Binet کے طریق میں مختلف مراحل عمر پر مختلف مہارتوں کی جانچ ہوتی ہے۔ یہ طریق سکول جانے کی عمر سے قبل شروع کیا جاتا ہے اور بچے کے بالغ ہونے تک تمام مراحل عمر میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ سکول جانے کی عمر سے قبل اور ابتدائی مراحل عمر میں اس کا تعلق حرکات میں مہارت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بتدریج زبانی بات چیت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یعنی جب معیارِ امتحان یکساں رکھا جائے گا تو پانچ اور گیارہ سال کی عمر کے دو بچے بالکل مختلف حرکات کا مظاہرہ کریں گے اگرچہ بہ اعتبار اعداد دونوں کی حیثیت ایک ہو۔

ایک اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگرچہ بچوں کی ذہانت کے لیے ایک ہی طریقِ امتحان سے کام لیا جائے۔ تاہم یکساں ذہانت (IQ) میں فرق ہوگا

جو امتحان میں کارکردگی کے مختلف درجوں سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً Stamford-Binet طریق عمر کے مختلف درجوں میں مشتمل ہے۔ اس میں عمر کے اعتبار سے ہر سطح پر چھ کام کرائے جاتے ہیں۔ امتحان اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک بچہ کسی معیار عمر پر تمام پرچوں میں ناکام نہ ہو جائے۔ یعنی جب تک بچہ یکے بعد دیگرے کسی خاص عمر کے پرچوں میں کامیاب ہوتا جائے گا۔ امتحان کا معیار بڑھتا جائے گا۔ اس طرح ممکن ہے عمر کے لحاظ سے زیادہ متفاوت گروپ میں کوئی بچہ ہر سطح کے دو یا تین پرچوں میں کامیاب ہو جائے یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور بچہ کم متفاوت عمر والے گروپ میں تمام پرچوں میں کامیاب ہو جائے۔ اِس کے باوجود دونوں کے حاصل کردہ اعداد کی مجموعی میزان ایک ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یکساں معیارِ ذہانت (IQ) ہونے کے باوجود بچوں کی کارکردگی کی کیفیت میں فرق ہو سکتا ہے۔

پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ استاد کو اپنے پسماندہ شاگردوں کے لیے تربیتی پروگرام مرتب کرتے وقت معیار ذہانت (IQ) کے اعداد سے زیادہ مواد کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے اسے ہر بچے کی تاریخ وار عمر کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ اس طرح بچے کے تجربات کی حیثیت اور اثر کے بارے میں کچھ علامتیں مل سکیں گی۔ ثانیاً بچے کی عمر اور معیار ذہانت (IQ) سامنے رکھ کر اسکی دماغی ذہنی عمر کا اندازہ کسی قدر ہو سکے گا۔ بچے کی ذہنی عمر (MA) دریافت کرنے کیلئے ایک بالکل سادہ فارمولے سے کام لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسکی تاریخ وار عمر یعنی (CA) اور معیار ذہانت (IQ) معلوم ہوں فارمولا یہ ہے۔ MA (مہینوں میں) $= CA \times \frac{IQ}{100}$ (مہینوں میں)

مندرجہ ذیل مثال سے اِس فارمولے کا عمل ظاہر ہوتا ہے:۔

زید کی عمر ۷ سال ۹ ماہ اور اس کا معیار ذہانت (IQ) ۷۵ ہے ۔یعنی زید کی عمر ۹۳ ماہ ہوئی لہٰذا:۔ $\frac{۷۵}{۱۰۰}$ × ۹۳ (ماہ) = ۷۵ × ۹۳ (ماہ)

= ۶۹٫۷۵ (ماہ)

مہینوں کو برسوں میں منتقل کر لیا جائے تو $\frac{۶۹٫۷۵}{۱۲}$ سال بنیں گے ۔یعنی زید کی ذہنی عمر (MA) پانچ سال دس مہینے ہوئی ۔

لیکن فرض کرو کہ احمد کی عمر گیارہ سال تین مہینے اور اس کا معیار ذہانت (Q) ۷۵ ہے مندرجہ بالا حساب سے اسکی ذہنی عمر (MA) آٹھ سال پانچ مہینے ہو گی ۔اب اگر ہمیں ان بچوں کے بارے میں اور کسی بات کا علم نہ ہو تو ہم ان کے یہ تعلیمی پروگرام ترتیب دیتے وقت وثوق کے ساتھ طے کر سکیں گے کہ زید تو زیادہ سے زیادہ ابتدائی قاعدہ پڑھنے کے قابل ہے البتہ احمد کو آسانی سے پہلی کتاب پڑھائی جا سکتی ہے ۔

پس جب ہم اس تاریخ وار اور ذہنی عمر (MA) کے اعداد و شمار کے ساتھ معاشی و معاشرتی معیار ۔مدرسے کے تجربات اور شخصی مواد جیسی چیزوں کے بارے میں مطلع ہو جائیں گے تو انتظامی امور اور تعلیمی پروگرام کی ترتیب میں ان امکانی غلطیوں اور قیاس آرائیوں محفوظ رہیں گے ،جو آغاز تعلیم اور انتظامی اقدامات سے قبل درپیش ہوتی ہیں ۔ ان امور میں سے بعض تو بچے کے گذشتہ ریکارڈ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں اسکے علاوہ مواد سکول کے ماہر خصوصی کی مدد سے یا معاشیات کے ماہرین سے مل سکتا ہے ۔استاد یہ معلومات بچے کے خاندان اور اسکے ماحول سے واقفیت حاصل کر کے بھی مہیا کر سکتا ہے ۔لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ پسماندہ بچے کی صلاحیت کی توضیح اور تعلیمی طریق کار مرتب کرنے کیلئے صرف معیار ذہانت (IQ) ہی کا معلوم ہونا کافی نہیں اسکے برعکس ذہنی عمر (MA) کا علم بچے کے درجہ ذہانت (IQ) کے اور درسی پروگرام کی ترتیب کے اندازے میں زیادہ اہم اور معنی خیز ہے ۔

کیا قابل تعلیم ذہنی پسماندہ بچّوں کی شناخت سہل کام ہے

بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی شناخت ان کے طرزِ عمل اور تعلیمی کام کی سطح مدِّنظر رکھتے ہوئے بالکل سہل ہے۔ یہ بات صرف ایک حد تک صحیح ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پسماندہ بچے تعلیمی صلاحیت میں جماعت کی سطح سے عموماً نیچے رہ جاتے ہیں لیکن اس سطح سے پیچھے رہنے والے بعض ایسے بچے بھی ہیں، جو ذہنی کمزوریوں کے علاوہ دیگر مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ پست کارکردگی ہی کو نیا انتخاب نہ بنائیں بلکہ ذرا آگے بڑھیں ذہناً پسماندہ بچوں کو ان بچوں سے الگ کریں جن کو مختلف تدابیر کی ضرورت ہے۔ سکول کے ابتدائی برسوں میں یہ جان لینا سہل نہیں۔ اگرچہ بظاہر سہل معلوم ہوتا ہے کیونکہ بچوں کی کارکردگی میں فرق بہت معمولی پایا جاتا ہے۔ اس مرحلے پر نیز آگے چل کر بچے کی نشو و نما کے دور میں بہترین طریق کار یہ ہے کہ کسی تربیت یافتہ ماہر نفسیات کے فیصلے پر انحصار کیا جائے۔

جدول نمبر ۲ ان طریق ہائے کار کی تشریح کرتی ہے جو جماعت میں ذہناً پسماندہ بچوں کی شناخت کے لئے عموماً بروئے کار لائے جاتے ہیں بچے کی شناخت کے عمل کو معمولی نہ سمجھا جائے محض اتنا ہی نہیں کہ معلومات کی روشنی کا رخ بچے کی طرف پھیر دیا جائے، اور بھی بہت سی چیزیں محض امتحان میں ہوتی ہیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ کسی بچے کو ایک بار ذہنی طور پر پسماندہ قرار دے دینے کا مطلب یہ ہے گویا اس پر ایک مستقل لیبل لگا دیا جائے۔ ہمارے ارادے کتنے ہی مشفقانہ اور زیبا کیوں نہ ہوں، ہم بہر حال بچے کے لئے ایسا درجہ تجویز کر دیں گے، جو پسندیدگی سے یقیناً بعید ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارا پہلا فیصلہ زیادہ سے زیادہ درست ہو کیونکہ ایک مرتبہ لیبل لگا دینے کے بعد اس سے ہٹنے یا اسے بدلنے مواقع بہت کم رہ جاتے ہیں۔

جدول ۳ میں جن طریقوں کو الف، ب اور ج کہا گیا ہے، انہیں انفرادی نفسیاتی جائزے کی تمہید سمجھنا چاہیے۔ بعض مدارس روپے اور وقت کی کمی کے باعث طریق "ج" یعنی تجزیۂ ذہنی پر انحصار رکھتے ہیں۔ یہ طریقہ ناکافی ہے۔ ممکن ہے اس تجزیہ سے ذہنی پسماندہ بچوں کو شناخت کر لیا جائے۔ لیکن اس طرح زیادہ مواقع اس بات کے ہیں کہ ان بچوں پر ذہنی کمزوری کا لیبل لگ جائے جو حافظے کی کمزوری، جذباتی مسائل اور تہذیبی محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر یہ بچے ان مشکلات سے دوچار نہ ہوئے تو ان میں سے خاصی بڑی تعداد عام سطح یا خاص ذکاوت کے معیار پر پوری اترتی ہے ایسے بچوں کو پسماندہ قرار دیدینا ناانصافی بھی ہے۔ اور موجب بھی۔ کیونکہ ممکن ہے خاطر خواہ علاج سے یہ بحالی کے قابل ہو جائیں۔ ان بچوں کو پسماندہ گردان لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی اصلاحی امداد و اعانت سے پہلوتہی کی گئی جس کی انہیں ضرورت تھی۔

جدول ۴ ۔ ذہنی پسماندہ بچوں کی شناخت کے طریقے

طریق کار	
ا۔ مشاہدہ استاد	اُستاد جماعت میں اکثر بچے کی کارگردگی حدود یا ان کی روش پر انحصار رکھتا ہے اگر بچوں کی کارگردگی میں فرق کم ہو تو ممکن ہے اُستاد اسے نظرانداز کر دے۔ ممکن ہے غبی یا ضرورت سے زیادہ شریر بچہ جس کی روش بظاہر قابو سے باہر ہو پسماندہ قرار دیدیا جائے انفرادی نفسیاتی تجزیہ ضروری ہے۔
ب جماعتی ذہنی امتحان	پوری جماعت کی چھان بین کے لئے جہاں کارکردگی یا روش کا فرق نہ ہو، بہتر ہے۔

ج۔ انفرادی ذہنی پیمائش کا جائزہ	جماعتی ذہنی امتحان سے اولیٰ ہے، لیکن اس کے بھی حدود ہیں یہ تو بتا دیتا ہے کہ بچہ ذہنی امتحان کا کون سا درجہ حاصل کرے گا، مگر یہ نہیں بتاتا کہ ایسا کیوں ہوگا؟
د۔ انفرادی نفسیاتی جائزہ	بہترین اور قابل انحصار عمل ہے یہ نہ صرف بچے کا ذہنی معیار ہی بتا دیتا ہے بلکہ اس کی خوبیوں اور کمزوریوں کے علاوہ اس کی شخصی نشوونما بھی نمایاں کر دیتا ہے۔ اگر دانشمندی سے کام لیا جائے تو یہ طریقہ افتد ضروری ہے۔

بچے کی ذہنی شناخت کا سب سے زیادہ قابل انحصار طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کا بہترین نفسیاتی تجزیہ کرایا جائے ایسے ماہر نفسیات کے پاس ذہنی اور نفسیاتی تجزیے کے تمام ضروری آلات و ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ یہ تجزیہ (مع اس علم کے جس کا تعلق بچے کی لازمی ترقی سے ہو) اور ممتحن کا علمی مشاہدہ، یہ سب مل کر غلطی کے امکانات کو کم کرتے ہیں۔ جب امتحان مکمل ہو جائے تو ماہر نفسیات کے پاس بچے کی کیفیت کا مکمل نقشہ موجود ہوگا یہ اس خاکے سے بہتر ہوگا جو الف، ب، ج کے طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ماہر نفسیات استاد کو بہت سی تعمیری تجویزیں بتا سکے گا جن سے بچے کو تعلیم دی جا سکے اور اسے قابو میں رکھا جا سکے۔

ہمیں مان لینا چاہیئے کہ لیبل لگانے میں غلطیوں کا امکان زیادہ سے زیادہ گھٹا دینا بچے کی صحیح شناخت کی کسوٹی ہے۔ تحقیق اور تجربہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں نفسیاتی تجزیہ بہترین اصول ہے

پسماندہ بچّے کیسے ہوتے ہیں؟

پسماندہ بچوں کا ذہین بچوں سے تقابل اور اساتذہ کے سالہا سال کے بالغ نظرانہ مشاہدات ان بچوں کے بارے میں ایسی معلومات فراہم ہوگئی ہیں جن سے تعلیمی اور انتظامی امور کو تقویت پہنچتی ہے قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی صفات کے سلسلے میں اہم ترین عناصر یہ ہیں جنہیں ذہن نشین کرلینا چاہیئے:۔

(ا) یہ صفات عام اور ذہین بچوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ فرق محض درجے کا ہوتا ہے نہ کہ قسم کا۔

(ب) بہت کم بچوں میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو زیر بحث آتی ہیں۔

(ج) بہت سی خصوصیات بدل سکتی ہیں، بشرطیکہ فہم و تشخیص بھی درست ہو اور دوا بھی ٹھیک ہو۔

خاندانی پس منظر

قابلِ تعلیم پس ماندہ بچوں کی بہت بڑی تعداد عام راستے سے ہٹے ہوئے یا اس سے قریبی ماحول سے آتی ہے۔ ان کے حالات بود و ماند عام سطح سے پست ہوتے ہیں اور صاف پتا چل جاتا ہے کہ انہیں جسمانی یا ثقافتی غذا پوری نہیں ملی۔ اکثر میں بیماری کا میلان پایا جاتا ہے اور جسمانی استحکام ناپید ہوتا ہے۔ ان کی زبان تاخیر سے نشو و نما پانے والی نہ ہی ہو تو اکثر تنگ دامن ہوتی ہے۔ اور وہ روزمرہ کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بچوں کی خاصی بڑی تعداد میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہ تعلیم میں ان کیلئے کوئی محرک نہیں ہوتا۔ اور یہ مشکل

یا تو خاندانی سرد مہری سے پیدا ہوتی ہے یا اس لیے ظہور میں آتی ہے کہ ان کے خاندان مقصد تعلیم کو سمجھتے نہیں۔ بعض خاندانوں میں عموماً ایک سے زیادہ ذہنی پسماندہ بچوں کا پایا جانا بھی کوئی غیر معمولی واقع نہیں۔

متوسط اور اونچے درجے کے گھرانوں میں ایسے بچوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ ان خاندانوں میں ایسے بچے کسی حادثے یا پیدائش کے وقت کی کسی علالت یا بچپن میں کسی بیماری کے باعث پسماندہ رہ جاتے ہیں۔ فارغ البال لوگوں میں پسماندہ بچوں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ پسماندگی صرف غریب اور بد قسمت خاندانوں ہی تک محدود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پسماندہ بچوں کے تعلق میں عوام کی روش جس حد تک بہتر ہوتی جائے گی اور تشخیص کے طور طریقے جس حد تک ترقی کرتے جائیں گے ہمیں ہر معاشی و معاشرتی سطح پر ایسے زیادہ سے زیادہ بچے ملیں گے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پسماندہ بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ جو بچے پہلے آزمائشی امتحانوں میں شناخت نہیں ہو سکے تھے۔ وہ اب سامنے آ رہے ہیں۔

کیا قابل تعلیم ذہنی پسماندگی طرزِ عمل کا مسئلہ ہے؟

جس شے کو طرزِ عمل کا مسئلہ کہا جاتا ہے، اس پر انحصار رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب غالباً اثبات میں ہوگا یعنی جب ہم پسماندہ بچوں کو باقاعدہ جماعتوں میں رکھنے پر غور کریں گے۔ ممکن ہے یہ صورت حال مدرسے کے اوائل میں زیادہ محسوس نہ ہو۔ لیکن جوں جوں بچہ بڑا ہوگا وہ ان ہر سہ طریق کار میں سے کسی ایک کا مظہر ضرور ہوگا۔ سب سے پہلے وہ اپنے ماحول سے الگ رہے گا۔ ثانیاً ممکن ہے استاد اور دوسرے بچوں کے ساتھ اس کا طرزِ عمل

منفی قسم کا ہو بلکہ خود اپنے متعلق بھی اس کا یہی اندازہ ہو۔ تیسرے ممکن ہے وہ بہت جھگڑالو ہو۔

جب ہم ان حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کے ماتحت پسماندہ بچہ اپنے طریقِ کار کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تو اس کا طرزِ عمل قابلِ فہم بن جاتا ہے۔ گھر پر، پڑوس میں اور بالخصوص مدرسے میں بچے کو ایسے کاموں اور کارکردگی کی ایسی امیدوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں وہ ان بچوں کو بھی دیکھتا ہے جو بظاہر اس سے زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔ لیکن ہر کام کو عجلت کے ساتھ اور مستعدی سے کر لیتے ہیں۔ لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے۔ خود اُسے اور اُس کے گرد لوگوں کو بھی اس کی اور دوسرے بچوں کی کارکردگی میں نمایاں فرق نظر آنے لگتا ہے۔

پس ماندہ بچے بھی انفرادی اختلافات کا اظہار کرتے ہیں

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض بچے ناخوشگوار حالات سے گریز کرتے ہیں۔ وہ خیالی پلاؤ پکانے ہی میں مطمئن رہتے ہیں اور افسوسناک حالات سے بچنے کے لئے وہ جماعت کے پس منظر میں گم ہو جاتے ہیں بعض بچے جو منفی نمونے کے ہوتے ہیں۔ دو گونہ رجحان اختیار کر سکتے ہیں ایک طرف تو وہ جماعت کے ساتھ ساتھ چلنے اور جماعت کی دلچسپیوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتے

ہیں دوسری طرف ناکامی کا احساس انہیں اس سے باز رکھتا ہے۔ لہٰذا پہلے پہل تو وہ جماعت کے کام کاج میں آگے بڑھتے ہیں۔ لیکن عین اس وقت جب کارکردگی کے مظاہرے کا موقع سامنے آتا ہے وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے اکثر بچوں کیلئے گریز شمول دونوں تکلیف دہ ہوتے ہیں

جھگڑالو بچہ عموماً استاد کا جس ماحول میں اس کے لئے دباؤ روز افزوں ہوتا جاتا ہے وہ اس میں سے نکل بھاگنے کے لئے ہر سمت بڑھے گا اور اکثر نامطلوب طریقے اختیار کرے گا۔ اس کا طرزِ عمل اکثر استاد کی بہترین اختیار کردہ تدابیر کو درہم برہم کرڈالتا ہے ہر سامنے آنے والے کو آزردہ کر دیتا ہے ساتھی علی الاعلان اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جس سے اس کی تنگ مزاجی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ بدمزاجی جارحانہ طرزِ عمل میں نہیں بلکہ نامناسب اشتعال میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا بدمزاج بچہ بلاوجہ شور و غوغا کرتا ہو اور ساتھیوں کے جذبات کا لحاظ نہ رکھتا ہو۔ ایسا بچہ اکثر اپنی قابلیت کا غلط اندازہ کرلیتا ہے اور اندھا دھندان کاموں کی طرف بڑھتا ہے جن کے لئے اس کی بہترین صلاحیت سے بدرجہا زیادہ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر کڑی نکتہ چینی کی جاتی ہے اور اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایسا بچہ ان واقعات سے سبق نہیں لیتا بلکہ اپنی غلطیوں کو بار بار دہراتا رہتا ہے۔

ایسے تمام بچوں کے سلسلے میں استاد معاون بن سکتا ہے۔ بہ شرطیکہ وہ ہر بچے کی ضرورتوں کے مطابق کام کرے اور اس کی روش کو مدار عمل نہ بنائے۔ اگر وہ ادراک و احساس سے کام لے۔ خوب سوچ سمجھ کر تدابیر کا نقشہ تیار کرے تو وہ ناکامی کی لہر کا رخ پلٹ سکتا ہے۔ وہ اپنے تجربات اور تجاویز کی مدد سے ناکامی کی رو کو بدل سکتا ہے۔ اور اسطرح جماعت کے کاموں اور سرگرمیوں کو ایسی صورت دے سکتا ہے کہ وہ قابلِ قبول تعمیری مقاصد نظر آنے لگیں۔ لیکن ہر بچے کے متعلق علم ضروری ہے۔ اس کی اچھائیوں اور کمزوریوں سے آگاہ ہونا لازم ہے۔ پسماندہ بچے کے بارے میں لائحہ عمل مرتب کرنیکا مطلب یہ ہے کہ اسکی استعداد اور پسند کا پتا لگایا جائے پھر ان سے ایسے طریق پر کام لیا جائے کہ وہ رفتہ رفتہ اس مقام پر پہنچ جائے۔ جہاں سے وہ خود

دیکھ لے کہ ایسی سرگرمیاں بھی ہیں جو اس کے لیے صلے اور تسکین قلب کا موجب بنیں گی، ممکن ہے بچے کی ترغیب کے لیے استاد کو کئی دلکش طریقوں سے کام لینا پڑے تاہم اُسے نتیجہ خیز کاموں پر لگانے کے سلسلے میں کوئی بھی کوشش خالی از فائدہ نہ ہو گی۔

دوگونہ رجحان رکھنے والے بچے کیلئے منصوبہ بندی سے واضح ہو گا کہ اطاقِ درس کی رکاوٹیں عارضی طور پر دور کر دی جائیں تاکہ وہ زیادہ مشکل اور وہ ناقابلِ عبور نہ نظر آئیں۔ لہٰذا جب بچہ یہ سمجھ لے کہ پیچھے رہ جانے کی نسبت آگے بڑھنے میں زیادہ فائدہ ہے تو وہی رکاوٹیں بتدریج اُسکی قابلیت کے مطابق بڑھائی جاسکتی ہیں۔

سب سے مشکل مسئلہ بد مزاج بچوں کا ہوتا ہے۔ ایسا بچہ انتظامیہ پر بوجھ بن جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی بد مزاجی جماعت یا اسکے کسی حصے پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے کوئی آسان و مختصر طریقہ موجود نہیں۔ ایک حل مشورت بھی ہے۔ بہت سے پسماندہ بچے اتنی بصیرت رکھتے ہیں کہ سمجھ لیں اُستاد کی کوششوں کا مدعا اس کے سوا کچھ نہیں ان بچوں کو اپنی روش کے لوازم کا اندازہ کر لینے میں مدد ملے۔ ان کے اہلِ خاندان سے میل جول بھی کافی ممد و معاون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بد مزاجی یا غیر مناسب جارحیت زیادہ تر اس دباؤ اور ٹکراؤ سے اُبھرتی ہے جو گھر کے ماحول کے دباؤ یا گھر کے ماحول میں پایا جاتا ہے۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ خود استاد کامیابی کے تجربات کا انتظام کرے۔ ان تجربات کی کامیابی حقیقی اور واضح ہونی چاہیے۔ نیز یہ بے تعلق کاموں یا ہتھکنڈوں کا نہیں اطاقِ درس کی روایتی دلچسپیوں کا نتیجہ ہونے چاہئیں۔ صفائی پر پرنسپل کے پاس رپورٹ، P.T.A میٹنگ کے لئے کرسیوں وغیرہ کا انتظام۔ یہ سب باتیں مفید ہیں، لیکن بچے کو حقیقی کامیابی کا احساس دلانے کے لئے کافی نہیں ممکن ہے عمومی پروگرام میں بچے کی غیر حاضری اُستاد کے لئے آرام کا باعث ہو سکے۔ لیکن ان طور طریقوں کے متعلق یہ خیال نہ ہونا چاہیئے کہ ہر بچے کو فائدہ پہنچانے والی

سرگرمیاں ہیں۔

یہ جان لینے کا اچھا موقع ہے۔ ذہناً پسماندہ مگر قابل تعلیم بچوں کے لئے جن کے ساتھ روش کے مسائل بھی وابستہ ہیں۔ کمزور، دوگونہ رجحان رکھنے والے اور بد مزاج تینوں نمونوں سے کام لینے کی ضرورت ہے اور تینوں کا مقصد ایک ہے۔ ہم سب کیطرح یہ بچے بھی چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں اپنائیں۔ معاشرے میں اُن کا کوئی مقام ہو۔ انہیں بھی کامیابی کے احساس کی ضرورت ہے۔ ان بچوں کی قابلیت صلاحیت اور ان کے احوال گرد و پیش کے تقاضوں کی روشنی میں ان کا طرزِ عمل معقول اور قابلِ ادراک ہوتا ہے۔ استاد کی طرف سے عام تدبیر یہ ہوتی ہے کہ لیکچر دے سزا یا صلے کے ذریعہ سے بچے کو بدلا جائے اس سے زیادہ نتیجہ خیز تدبیر ہو سکتی ہے۔ کہ حالات پیش بدلے جائیں۔ یوں اس کا طرزِ عمل بدلنے کی کوشش کی جائے۔ اطاقِ درس کے حالات بدلنے کے طریقے پر بعد کے ایک حصے میں ہو گی۔

قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچے کو کون پسند کرتا ہے؟

عام اطاقِ درس میں پس ماندہ بچے کی معاشرتی پسندیدگی کے متعلق جماعت دار مشاہدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی ہر دلعزیز نہیں ہوتا۔ ہم جماعتوں کو کام، کھیل اور دیگر دلچسپیوں میں ساتھی انتخاب کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ عام طور پر پسماندہ بچے کو منتخب نہیں کرتے۔ لہذا یہ قابلِ تعلیم مگر ذہنی طور پر پسماندہ بچہ اگرچہ جسمانی حیثیت سے جماعت میں حاضر ہوتا ہے۔ تاہم عمرانی اعتبار سے اسے غیر حاضر ہی سمجھنا چاہیئے۔

اساتذہ یہ جاننے میں غالباً دلچسپی محسوس کرینگے کہ قابلِ تعلیم مگر ذہنی پسماندہ بچوں کو ان کے طرزِ عمل ہی کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے ۔ ورنہ ان بچوں کا درسی طور پر کمزور ہونا اسقدر اہم بات نہ تھی ۔ خرابی احوال کے موجبات یہ تھے ۔ مثلاً بد مزاجی، سادہ لوحی، عاقبت نا اندیشی، پاک صاف نہ رہنا اور کھیلوں میں مہارت کا فقدان وغیرہ

یہ تمام حالات تعلیمی کمزوریوں کی نسبت زیادہ آسانی سے رو بہ اصلاح ہو سکتے ہیں ۔ تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ ذہنی طور پر پسماندہ مگر قابلِ تعلیم بچے خاص جماعتوں میں پہنچتے ہیں تو غالباً اپنی وضع کے دوسرے بچوں کے مقابلے میں شخصی عوامل کے اعتبار سے زیادہ تندرست ہوتے ہیں جو عام جماعتوں میں تعلیم پاتے ہیں ۔ ممکن ہے اس کا سبب خاص جماعتوں کا ماحول ہو جہاں مقابلہ سراسر مناسب اور ان کی قابلیت کے مطابق ہوتا ہے ۔ باقاعدہ جماعتوں کا ماحول جس حد تک ممکن ہو قابلِ قبول بنا دینا چاہیئے ۔ ممکن ہے اسطرح قابلِ تعلیم مگر ذہناً پسماندہ بچوں کی ناقابلِ قبول روش میں بھی بڑی حد تک کمی آجائے ۔ اور انہیں ہم جماعتوں میں قبول حاصل ہو ۔

مدرسے میں قابلِ تعلیم پسماندہ بچوں کی ترقی باہم کسقدر مختلف ہے

عام بچوں کی طرح پسماندہ بچوں کی ترقی بھی باہم مختلف ہوتی ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ پسماندہ بچے جماعت کی اوسط سطح سے نیچے ہوتے ہیں ان کی کارکردگی میں درجات اور نوعیت موضوعات کے مطابق فرق ہوتا ہے ۔

اوائل کے درجات میں خاص مواقع پر عام اور پسماندہ بچے امتحان میں یکساں نتائج دکھاتے ہیں ۔ لیکن بعد میں موخر الذکر بچوں کا نتیجہ جماعت کے اوسط سے کٹ

ماہ پیچھے رہ جاتا ہے۔ شروع میں یہ فرق آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ جوں جوں مضامین زیادہ مشکل ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں میکانکی قابلیت ذہنی قابلیت میں ملتی جاتی ہے۔ یہ فرق زیادہ نمایاں ہونے لگتا ہے۔ بہت سے پسماندہ بچوں میں ذہنی قابلیت میکانکی قابلیت میں شامل ہی نہیں ہوتی اس طرح بعض چوتھی پانچویں حتیٰ کہ چھٹی جماعت تک کے مضامین پڑھ لینے کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن انکی یہ استعداد بہت کم مستقل رہتی ہے۔ ممکن ہے وہ پانچویں جماعت کی کتاب کے الفاظ پڑھ لیں لیکن مضمون صرف دوسری جماعت ہی کا سمجھ سکتے ہوں اسی طرح ممکن ہے انہیں ریاضی کے ابتدائی قاعدے تو آتے ہوں لیکن عبارتی سوالات نہ سمجھ سکتے ہوں۔

Library Kulliyat-ul-Banat.

جہاں تک زبان دانی کا تعلق ہے پسماندہ بچے کیفیت اور دائرہ معلومات کے لحاظ سے ہم جماعتوں کے مقابلے میں کمزور ہوتے ہیں ان کے مختصر فقرے اور زوایہ افکار صرف اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتے کہ بچہ ذہنی طور پر پسماندہ ہے بلکہ ان سے بچے کے گھر اور ماحول کے دائرہ افکار کی فرومایگی اور الفاظ کی قلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

معاشرتی علم بھی جو جماعت میں عام طور پر زبانی پڑھائے جاتے ہیں پسماندہ بچوں کی تعلیمی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر معلم زبانی بیان کی قابلیت میں کمزوری کو محدود تجربے اور علم کا باعث قرار دیدے تو وہ یقیناً دھوکہ کھائے گا۔ بعض پسماندہ بچے معاشرتی علوم میں کافی دسترس حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی اس استعداد کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتے۔ معاشرتی علوم میں پسماندہ بچوں کی کمزوری عموماً پیچیدہ اور مشکل موضوعات میں ظاہر ہوتی ہے۔

معاشرتی علوم میں تعلیم پانے والی جماعت کو جسمیں پسماندہ طلبہ بھی شامل

ہیں قابلیت کی منزل کی طرف متعدد اقدام کے مواقع زیادہ ملتے ہیں دوسرے مضامین کے لئے بچوں کو انکی سطح ترقی پر براہ راست ہدایات کی ضرورت پڑتی ہے۔ میکانکی قابلیت اور تعلیمی مضامین کے تصور پر زور دینا بھی ضروری ہے اگرچہ اسمیں بہت وقت اور محنت چاہیے۔ زبان دانی کی ترقی میں ہمارے بیے گریمر کی غلطیوں کی عادت دور کرنا لازم ہے یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جہاں متعدد الفاظ کی ضرورت ہو وہاں مختصر یک لفظی جواب قبول نہ کیا جائے۔ اس طرح بیان کے چھوٹے چھوٹے عیوب دور کیے جائیں۔

چونکہ پسماندہ بچوں کی ترقی کی منزلیں ذہین بچوں سے مختلف ہوتی ہیں اس لئے انکا علاج بھی انکی قابلیت اور کمزوری کے مطابق ہونا چاہیئے ہر بچے کی تعلیمی قابلیت اساتذہ کے تجربات سے ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا بچے کی ترقی کے سلسلے میں ایسے امتحانات کی ضرورت ہے۔ جو بچے درجۂ قابلیت ظاہر کریں۔ ممکن ہے عام جماعت کے لئے مناسب امتحان پسماندہ بچے کے لیے غیر مناسب ہو۔ مثلاً پانچویں جماعت کا مدرس اپنی جماعت کے لئے موزوں درمیانہ درجے کا امتحان مقرر کرتا ہے۔ اس جماعت میں ذہنی پسماندہ بچہ جو عموماً ابتدائی معیار پر ہوتا ہے ہر حصۂ امتحان میں سب بچوں سے پست پایا جائیگا اور اس کے نتیجے کا گراف ایک خطِ مستقیم ہوگا۔ لہذا اس امتحان سے اس کا نقطۂ عروج تو معلوم ہو جائیگا لیکن کمزوری کا صحیح اندازہ نہ ہوگا۔ لہذا اس بچے کے لیے ابتدائی سطح ہی کا امتحان بہتر ہوگا۔ یہ امتحان نہ صرف اسکی قابلیت ظاہر کرے گا۔ بلکہ کمزوری بھی معلوم ہو جائیگی اور نصاب کے ابتدائی مراحل میں اس کے مقام کا ایسا ہی اندازہ ہوگا جیسا پہلی جماعتوں میں ہوتا ہے۔

قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کیلئے سکول کا لائحہ عمل

بچے کی ترقی کے اندازے اور مدرس کے مشاہدات عموماً بچے کے لئے مناسب تعلیمی مواد ظاہر کرتے ہیں استاد کو چاہیئے کہ مقاصدِ تعلیم کی تربیت میں بچے کی انفرادی سمجھ مدِنظر رکھے۔ اگر تیسرے درجے کے پسماندہ بچے کیلئے پہلے درجے کا قاعدہ تجویز کیا جائے تو ان اثرات کے بارے میں اچھی طرح غور کر لیا جائے جو اس قدر کم درجہ درس مقرر کرنے سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ بچہ یقیناً ہم جماعت بچوں کو دلچسپ کہانیوں کی کتابیں پڑھتے دیکھیگا۔ اسے علم ہوگا کہ ہم جماعت ترقی کر کے پختگی حاصل کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اسے جماعت سے الگ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اسے کمسن اور ناسمجھ بچوں کے سبق پر محنت کرنی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے بچے پڑھائی سے شرما کر بھاگ جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان حالات میں استاد یہ سمجھے کہ یہ نوعمر بچے اسلئے پڑھائی سے گریزاں ہیں کہ اس میں انہیں دلچسپی نہیں اور بعض اوقات یہ نظریہ کسی حد تک درست بھی ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ عام درجوں میں اکثر ذہنی پسماندہ بچے پڑھائی سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ درس انہیں باعثِ مضحکہ بنا دیتے ہیں۔

ان پسماندہ بچوں کی عمروں کا پڑھائی کی سطح کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لئے ایک تعمیری طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے لئے اضافی درسی کتب مہیا کی جائیں جو علاج کا کام بھی دیں۔ آجکل بہت سی درسی کتب سلسلہ وار بنائی گئی ہیں جو پہلے قاعدے سے شروع ہوتی ہیں۔ بعض سلسلوں میں دلچسپ اور آسان کتابیں زیادہ

اقسام ہیں موجود ہوتی ہیں ایسے بچے کیلئے جو جماعت میں بہت پست ہو ایسی درسی کتابیں تجویز کرنا ضروری ہے جو مقررہ درس کے عین مطابق ہوتی ہیں صفحات پر وہی تصاویر ہوتی ہیں جو دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن موضوعات کی تشریح آسان زبان میں ہوتی ہے

ریاضی میں پسماندہ بچوں پر اسقدر حرف نہیں آتا جسقدر پڑھائی کے مضامین میں آتا ہے لیکن جب اُستاد اولین درجات کے لیے مرتب کردہ عملی کاپیوں پر انحصار کرنے لگے تو وہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتیں۔ بہت سے ناشر سطح تعلیم کے اعتبار سے حساب کی ذو معنی کتابیں شائع کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایسی اضافی کتابیں بھی ہوتی ہیں جنہیں ہو بہو نقل کیا جا سکتا ہے۔ یہ کتابیں پسماندہ کیلئے اُستاد کے ایجاد کردہ حساب کے درس کی حیثیت رکھتی ہیں تاکہ بچہ موثر انداز سے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھ سکے۔

مدرس کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ عملی کام کی کاپی کہیں خود اُسکی جگہ نہ لے لے۔ پسماندہ بچے کو نقل کرنے کے لئے ایسے الفاظ کی طویل فہرست مہیا کرنا جو تصاویر کے بھی مطابق ہوں بہت آسان کام ہے۔ لیکن بچے کو یکے بعد دیگرے جمع و تفریق کے سلسلہ وار سوالات حل کرانا یا اس سے مربعوں اور دائروں میں رنگ بھرانا بھی اتنا ہی سہل ہے۔ یہ شغل بچے کو مشغول اور خاموش رکھتا ہے اور اسے اُستاد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔ اس طرح اُستاد باقی جماعت کو بھی کام کرا سکتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پسماندہ بچے اپنی عملی کاپی سے وہ اصول سیکھ جائیں جو ان کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ پسماندہ بچے کے ساتھ روزانہ اس کی حدِ استعداد کے مطابق مختلف مسائل پر بحث و تمحیص کی جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ فقط یہ جان لینا کافی نہیں کہ اعداد کو جمع کیسے کیا جائے بلکہ یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کب اور کیوں جمع کیا جائے۔ اسکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُستاد

اور شاگرد کے مابین مسئلے کی تعلیم کے لئے شخصی بحث کیجائے۔

اگر اُستاد ضروری تجاویز اور انتظامات فراہم کر سکے تو پسماندہ بچہ عموماً معاشرتی علوم میں جماعت کے دوش بدوش رہ سکتا ہے۔ تجاویز کی ترتیب میں وہ علاقے سامنے رکھے جائیں جن کے متعلق پسماندہ بچہ خود بھی کچھ جانتا ہو۔ اگر اس سے اسکی استعداد کے مطابق سوالات کیے جائیں تو وہ جماعت میں بحث میں بھی حصّہ لے سکیگا۔ اس طرح اگر اسکی استعداد کا خیال رکھا جائے تو وہ کمیٹیوں اور گروپوں کے ساتھ مل کر بھی کام کر سکتا ہے۔ ایسے ہی حالات ان مضامین میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسے صحت۔ دماغ، موسیقی، آرٹ اور جسمانی تعلیم۔ عمدہ تجاویز ان امور پر روشنی ڈالیں گی جن میں پسماندہ بچہ بھی معاون ہو سکے گا۔

بالآخر پسماندہ بچوں کے لئے مدارس کے پروگرام میں عام درجات کے لحاظ سے ایسے عناصر کا ہونا ضروری ہے۔ جو خالصتاً تعلیمی ہی نہ ہوں بلکہ دماغی صحت کے لئے بھی لازمی ہوں۔ یہ عنصر پسماندہ بچوں کو جماعت کے افراد میں شامل رکھنے پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں پسماندہ بچوں کے معیار ذہن پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ باقاعدہ جماعت میں ایسے بچوں کو ان کے ذہین ہم جماعت اکثر علیحدہ کر دیتے ہیں۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کو نہ صرف انکے ہم جماعت اپنے حلقے میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ معاشرتی اعتبار سے زیادہ اونچی سطح دیدیتے ہیں دونوں باتیں یکساں طور پر اہم ہیں۔ یہ جاننے کے لئے کہ بعض پسماندہ بچے ہم جماعت بچوں میں کیوں پسندیدگی حاصل کر لیتے ہیں اور بعض کیوں نہیں کر پاتے ہمیں تین سوالوں پر غور کرنا پڑے گا۔

اوّلاً ہمیں پسندیدہ بچوں کی خصوصیات کا ناپسندیدہ بچوں کی خصوصیات سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا بھی اہم ہوتا ہے کہ پسندیدہ بچے، مختلف خصوصیتوں میں

اپنے کم نصیب ہم جماعتوں کی ضد ہیں وہ اپنے ساتھیوں کی قدروں کے غالباً بہتر اندازہ شناس ہیں اس لئے جماعت میں جذب ہونے کے قابل معیاروں کو سمجھ لیتے ہیں۔ ثانیاً جماعت کی قوت برداشت کا معیار معلوم کیا جائے۔ مشاہدے سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض گروپ عجیب وغریب عادات خصوصیات اور طرزِ عمل برداشت کر لیتے ہیں۔ دوسرے گروپ ان کے خلاف منفی ردعمل رکھتے ہیں رثالثاً۔ ہم استاد اور مدرسے کے دیگر ارباب اختیار کے اندازِ کار کے متعلق پوچھنے میں بھی حق بجانب ہوں گے۔ تحقیق سے ظاہر ہے کہ استاد خواہ آگاہ ہو۔ خواہ نہ ہو جماعت میں صحیح ماحول پیدا کر سکتا ہے اپنے طریقِ کار اور نصیحتوں کے ذریعے اکثر شاگردوں کے طرزِ عمل کو بدل سکتا ہے۔

پہلے سوال پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ خود بچوں کا احساسِ اختلافات اور احساس یکسانیت ناپسندیدہ افتراق کو ختم کرنیکی طرف پہلا قدم ہے۔ اکثر طرز عمل کے اختلافات الگ الگ ظاہر نہیں ہوتے بلکہ مجموعی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں ممکن ہے جماعت کا طرزِ عمل یہ ظاہر کرے کہ زید کو تند مزاجی کے باعث ناپسند کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذاتی صفائی کے معیار سے کم یا کھیلوں میں دھوکا دینا ہو لہذا اگر زید کو قابلِ قبول بنانا مقصود ہو تو اسپر ہر سہ اعتبار سے محنت کرنا پڑیگی۔ سوال یہ ہے کہ کیا استاد ہر سہ شعبہ جات پر بیک وقت کام کریگا یا یکے بعد دیگرے اسکا فیصلہ اُستاد کو زید کی صلاحیت اور وقتی ضرورت کے پیشِ نظر خود کرنا ہوگا۔

یہاں سے دوسرے سوال پر توجہ منعکس ہوتی ہے۔ پسماندہ بچوں کو جماعت میں خلط ملط کرنے کے لئے مدرس کو اپنی جماعت کی خصوصی حدودِ برداشت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ خود استاد کی حد برداشت کا علم کافی نہیں ممکن ہے اسکا مادہ برداشت اِسقدر

زیادہ ہو کہ بچے کے لئے نقصان دہ ہو جائے یا اس کی برداشت کا مادہ اسقدر کم ہو کہ بچے پر غیر ضروری دباؤ پڑنے لگے۔ بعض اوقات استاد کو سوچنا پڑیگا کہ آخر کبھی کبھی زید کو غلطی سے زیادہ سزا کیوں مل جاتی ہے؟ کیا باقی بچے اعتدال سے بڑھ کر تو اسکی غلطی کو ظاہر نہیں کرتے؟ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ امکان یہ بھی ہے کہ زید کی بعض باتیں استاد کے لئے قابل برداشت ہوں مگر طلبا انہیں برداشت نہ کریں۔

اسکی دوسری انتہائی حد یہ ہو گی کہ اُستاد زید کو جماعت میں بلانے کی کوشش اعتدال سے زیادہ کریگا جو ممکن ہے زید کے لیے پریشانی وحیرت کا باعث ہو۔ وہ یہ سمجھنے لگے گا کہ اِس کے ہم جماعت تو اسے اپنے گروپ میں قبول کرتے ہیں لیکن اُستاد شاید کسی قدر زیادہ پختگی کا متوقع ہے۔

تیسرا سوال جسکا تعلق اُستاد یا مدرسے کے دیگر ارباب اختیار کے طرزِ عمل سے ہے غالباً سب سے زیادہ تشویش انگیز ہے کیونکہ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ کوئی کیونکر جان سکتا ہے کہ کسی تقریر، عمل یا طریق کار میں اشارات وکنایات شاگردوں پر کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ آیا یا وہ جماعت کو پسماندہ بچے کے خلاف تو نہیں ابھار رہے ہیں؟ کیا ایسا تو نہیں کہ پسماندہ بچے کی ظاہری ہیئت۔ قابلیت اور طریقِ کار کے متعلق اُستاد کے بلا تعصب اشارات باقی جماعت کیلئے یہ معنی رکھتے ہیں کہ اُستاد پسماندہ بچے سے اپنی ناپسندیدگی کو قبول کرا رہا ہے؟ اُستاد کو واقفیت پسند ہونا لازم ہے اور اسے خود یہ سوچنا چاہیے کہ پسماندہ بچے کو کسطرح جماعت میں معیارِ پسندیدگی پر لائے۔

یہ سوال ایک حد تک اِس کوشش کا حصّہ ہو گا جو بچے کو جماعت میں محفوظ کرنے

کیلئے روا رکھی جائے گی۔ مندرجہ بالا تحقیقی مقام اُستاد کو مسئلہ کی اس نوعیت پر غور کرنے میں مدد دیگا جو اس میں مضمر ہے۔ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ پسماندہ بچے اختیاری طرزِ عمل سیکھ سکتے ہیں۔ Retetted Children Can Lea'rn Adaptive Behavious

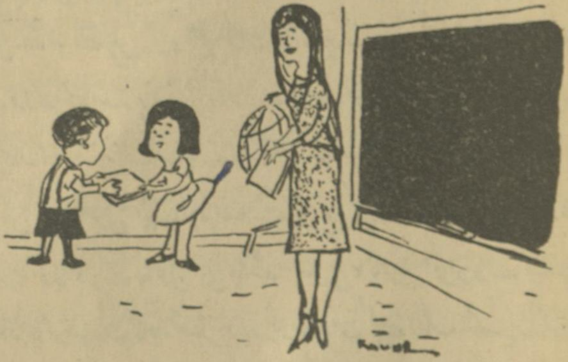

پسماندہ شاگرد کے بعض طریقِ کار یا طرزِ عمل خاص توجہ کے مستحق ہیں اس طرزِ عمل کا خالصتہً ناپسندیدہ بچہ ہی ذمہ دار نہیں ہوتا لہٰذا اُسے جماعت میں ضم کرنے کیلئے پوری جماعت کو حصہ لینا ضروری ہے۔ لہٰذا استاد کو تمام بچوں کیلئے اسطرح محنت کرنا ہوگی کہ وہ قابلیت اور ناقابلیت کے دونوں پہلوؤں کا ادراک کر سکیں شناسا اور ناشناسا دونوں کو قبول کر سکیں اور ایسی سمجھ بُوجھ پیدا کر لیں۔ جس سے دوسروں کے طرزِ عمل کو سمجھنا ممکن ہو۔ اِس سمجھ بوجھ کیلئے بوغتِ نظر کی ضرورت نہیں بلکہ یہ تعلیمی نصاب کا ایسا ہی اہم جزو ہے جیسا کہ دوسرے درسی مضامین۔
جماعتی یکجائی کیلئے تجاویز و تدابیر مرتب کرتے ہوئے استاد کو فیصلہ کرنا ہوگا۔

کہ خوشگوار تبدیلیاں کسطرح بروئے کار لائی جائیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ پسماندہ بچوں کی تعلیم کا بہترین طریقہ اصولِ تعلیم کو نظر انداز کر کے آزاد طریقِ تعلیم اختیار کرنا ہے۔ اسے عام طور پر عادات کی تربیت کہتے ہیں۔ زمانۂ حاضر کی اصطلاحات کے مطابق یہ طریق بھی "پروگرام بنانے" سے ملتا جلتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض محرکات استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو واضح اثرات برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً بچہ کو سکھایا جاتا ہے کہ جب وہ گھر کے اندر ہو تو ٹوپی اتار دے۔ البتہ اِس کا لحاظ ضروری ہے کہ پروگرام سوچ بچار کے بعد مرتب کیا جائے تاکہ اِس سے حسنِ کارکردگی ظاہر ہو۔ ہماری اس مثال میں "گھر کا ماحول" ایک اہم لفظ ہے۔ فرض کیجئے استاد اسکی اہمیت کا اندازہ نہیں کرتا اور "گھر کے ماحول" کی بجائے "سکول کا ماحول" قرار دے لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ کو عبادت گاہ۔ تھیٹر اور دیگر مقامات کیلئے الگ الگ پروگراموں پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک یونہی جاری رہے گا جب تک استاد یا کوئی اور صاحبِ اختیار شخص یا خود بچہ ان تمام مقامات کے مشترک پہلوؤں کا اندازہ نہ کرنے کو محسوس کرے اور اسکی بنا پر وہ اپنے پروگرام میں مناسب تبدیلیاں کرلے گا۔

عادات کی شکل میں غیر شعوری طریقِ کار کی تعلیم کے برعکس تصورات کی تعلیم ہے۔ جس سے خود بخود مناسب طریق اختیار کر لینا ممکن ہو جاتا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پسماندہ بچے اِس ذہنی تعلیم کے متحمل ہو سکتے ہیں اور اپنے تصورات کو روزمرہ زندگی میں آزادانہ استعمال کر لیتے ہیں۔ اگر طالب علم کو ایسی مشق کرائی جائے۔ جس سے وہ اپنے تصوّرات کا موزوں اطلاق کرنے کے قابل ہو جائے تو اس طریقِ کار کی بہت سی خوبیاں ظاہر ہونگی محض ان تصوّرات کی ذہنی تعلیم ذہنی مشق سے زیادہ درجہ نہیں

رکھتی۔ تصورات اور ان کا موزوں احوال و مواقع میں اطلاق بچے کو اس قابل بننے میں مدد دیتا ہے۔ کہ جو کچھ اس نے سیکھا ہے۔ اس سے روز مرہ کی زندگی میں کام لے سکے۔ نیز اسے یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ حالات کی موافقت کے مطابق جہاں جیسی ضرورت ہو اپنے علم کو استعمال کرے۔

ذہناً پسماندہ کے لیے تصورات سیکھنے اور ان سے تعلیمات پیدا کرنے کی صلاحیت ہر بچے میں مختلف ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر قسم کے بچوں کیلئے درست ہے۔ لیکن اسے ترقی کیلئے سدراہ نہ جاننا چاہیئے۔ ہر بچے کے ساتھ اسکی ضروریات ذہنی کے مطابق عمل کرنے کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس طرح اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ بچے میں تصورات کی صلاحیت پیدا کرنی مطلوب ہے تو ضروری ہے کہ اسے تعلیمی ماحول میں داخل کیا جائے۔ تقریریں اور مشق اغلب ہے۔ بچے کو اشارات اور ریبلوں سے آگاہ کردیں۔ لیکن تصورات کا بنیادی تخیل شاید اسکی سمجھ سے باہر ہو۔ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں دو نہایت سود مند طریقے یہ ہیں۔ جو کچھ پیش آچکا ہو، اسکے جائزے کے سلسلے میں بحث و گفتگو یعنی۔ ایسا کیوں ہوا اور صورتِ حال کی تلافی کیونکر ہو سکتی ہے؟

(ب) مسائل کے متوازی حالات کی معاشرتی تمثیلات پیش کرنا۔

مدرس کو چاہیے کہ ان مباحث میں دوسرے بچوں کو بھی شریک کرے کیونکہ اس سے انہیں یہ اندازہ ہو گا کہ ان کے پسماندہ ہم جماعت بھی سوچتے اور عمل کرتے ہیں اور یہ بات کسی حد تک پسماندہ بچوں کے لئے بہتر ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ تصوراتِ ذہنی کی تعلیم آزاد تعلیم کی نسبت زیادہ وقت اور محنت کی طلب گار ہے۔ تاہم ایک عرصے تک

تصورات کی تعلیم اور اسکی عمومیت کے تواتر سے تطابق کی صلاحیت بڑھتی ہے اور غیر شعوری طرزِ عمل میں کمی ہوتی جاتی ہے۔

پسماندہ بچے سے متعلق مسائل

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جماعت میں پسماندہ بچے کی مقبولیت کے مسئلے پر کیوں اسقدر زور دیا جاتا ہے؟ اگرچہ سب نہیں تاہم اکثر پسماندہ بچے ہم جماعتوں کے ساتھ تعلقات استوار کیے بغیر بھی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کالج میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں بھی کافی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔ بعض معاشرہ میں بھی اپنا مقام پیدا کر لیتے ہیں اور بخیر و خوبی وقت گزارتے ہیں۔ درسگاہ کے اندر جو مسائل پسماندہ بچے کے لئے تعلیمی اور معاشرتی معیاروں کے ساتھ تطابق میں مشکلات کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ زندگی بھر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس اعتبار سے سکول کی زندگی آئندہ حالات کا پیش خیمہ قرار پاتی ہے۔ یاد رہے کہ پسماندہ بچے میں استعداد کے اعتبار سے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی ایک خوابیدہ قوت ہوتی ہے۔ جسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ کاش اس کے ماحول کا کوئی فرد اس قوت کو بیدار کرنے کیلئے وقت صرف کر سکے اور محنت اٹھا سکے۔ اگر یہ قوت بیدار ہو جائے تو پسماندہ بچے کے لئے سن بلوغ کو پہنچنے پر معاشرے میں جذب کرنے کے مواقع بڑھ جائیں گے۔

یہاں پہنچ کر شاید استاد کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ پسماندہ بچے کے لئے اس کے آگے اور کیا ہے۔ کیا مدرسے کے بعد معاشرہ بھی اسکے لئے وہی مقام اسی ذمہ داری سے مہیا کر سکے گا، جو پبلک سکول خاصہ ہے؟ پسماندہ بالغان کے حالات کے مشاہدہ

سے پتا چلتا ہے کہ پبلک سکولوں کے ماحول کے مقابلے میں معاشرہ ذہنی طور پر کمزور لوگوں کو بہت کم رعائتیں دیتا ہے اور یہ رعائتیں بھی اِس وقت دی جاتی ہیں، جب کسی پر کوئی مصیبت نازل ہو چکی ہو۔

پسماندہ گریجوایٹوں کی بہت بڑی تعداد کے لئے صنعتی یا سرکاری اداروں میں غیر ترتیب یافتہ آدمیوں کا کام دیا جاتا ہے۔ اِن میں کم تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے۔ جنھیں نیم ترتیب یافتہ آدمیوں کا کام ملتا ہے۔ یہ اسامیاں بھی کسی طرح صرف ذہنی پسماندہ لوگوں کیلئے وقف نہیں ہوتیں دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی انہیں مقابلہ درپیش ہوتا ہے۔

معاشرے میں تین اہم بے تعلق حالات بہ یک وقت کار فرما ہیں جن کے پیش نظر پس ماندہ بچوں کے لئے مؤثر تعلیمی تیاری کا انتظام بہ طور خاص ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ہائی سکولوں میں تعلیم چھوڑ جانے والے طلبہ کی کثیر تعداد

(۲) غیر فنی پیشوں کا فقدان

(۳) پیشہ ورانہ اور معاشرتی حالات کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیاں۔

تعلیم چھوڑ جانے والے طلبہ کی کثیر تعداد

ہائی سکول سے خارج شدہ بچوں کے مسئلہ کے دو پیچیدہ حصے ہیں۔ اوّل یہ کہ ہائی سکول میں پسماندہ بچوں کی کثیر تعداد قانونی معیارِ عمر پورا ہونے کے بعد سکول سے نِکل جاتی ہے وہ اکثر ایک مشقت طلب صورتِ حال سے بچنے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ اور وہ صورتِ حال

سکول کا مخالفانہ ماحول ہوتا ہے۔ یہ حالات بالخصوص ان مدارس کے سلسلے میں بالکل درست ہیں۔ جہاں اِن پسماندہ طلبہ کے لئے کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ ہائی سکول کی خصوصی طرز کی جماعتوں میں جس ناکامی اور رسوائی سے روزانہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ اکثر پسماندہ طالبعلم کی قوتِ برداشت سے باہر ہوتی ہے۔

پسماندہ نوجوان کے قبل از وقت سکول چھوڑ دینے کے اثرات پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ وہ اکثر معاشرتی اور جذباتی لحاظ سے ناپختہ ہوتا ہے اور مہارت وقابلیت کم سے کم نمو پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسطرح ایک طرف تو اس کے لئے ملازمت حاصل کرنے کا موقع کم ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف معاشرے میں آزادانہ تطابق کی صلاحیت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو مدرسے سے نکل جانے والے اُن طلبہ سے متعلق ہے جو ذہنی طور پر پسماندہ نہیں ہوتے یہ طلبہ کامیاب طلبہ سے کم اور بالعموم پس ماندہ طلبہ سے زیادہ قابل ہوتے ہیں۔ مدرسے میں تربیت کی کمی کی وجہ سے اکثر ان کے لئے بھی ملازمت کے مواقع پس ماندہ طلبہ کی طرح ایک ہی قسم کے پیشے میں محدود رہ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی اسامی کیلئے بھی مقابلہ سخت ہو جاتا ہے۔

غیر فنی پیشوں کی کمی

جس زمانے میں مزدور ہاتھ سے کام کرتے تھے پس ماندہ لوگوں کے لئے کئی قسم کی اسامیاں ہوتی تھیں۔ میکانکی ترقی سے یہ اسامیاں یا تو مفقود ہو گئیں۔ یا دوسری اسامیوں میں ختم ہو کر پیچیدہ اسامیوں میں بدل گئیں۔ اس سلسلے میں کسان مرد اور گھر میں کام

کرنے والی ملازمہ کی مثال نہایت مناسب ہے۔ چند برس قبل یہ دونوں پیشے مرد اور عورت مزدور کے لئے آمدنی کے عمدہ ذریعے تھے۔ بعدازاں زراعتی فارموں میں ٹریکٹر بجلی سے دودھ دوہنے کے آلات اور دیگر بے شمار مشینیں پہنچ گئیں۔ زراعت کے میکانکی اوزاروں نے فردِ واحد کو اس قابل بنا دیا کہ وہ تنہا بڑے بڑے زرعی رقبوں کو زیر کاشت لا سکے۔ مزدوروں کے سلسلے میں جو چھان بین کی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہاتھ سے کام کرنے والے دستی مزدوروں کی ضرورت ختم ہو گئی ہے۔ گھر کے اندر میکانکی آلات نے برتن دھونے کیلئے برش اور ٹب کی جگہ لے لی۔ فرش جھاڑنے کے لئے صفائی کی جدید مشین آگئی اور اسی طرح کھانا پکانے کے بھی میکانکی انتظامات ہو گئے۔ اگرچہ یہ تو ابھی ممکن نہیں کہ گھر کا تمام کام محض بٹن دبانے سے ہو جایا کرے۔ تاہم امدادی افراد کی ضرورت خاصی حد تک کم ہو چکی ہے۔ یہی صورت حالات صنعت و حرفت میں بھی درپیش ہے کیونکہ خودکار مزدوری بچانے والے پیچیدہ آلات آگئے ہیں۔

خودکار اور میکانکی ایجادات نے پسماندہ اور غیر ہنرمند لوگوں کے لئے ملازمت کے امکانات اس قدر کم کر دیئے ہیں کہ اب یہ مسئلہ تعلیم اور بحالی و آبادکاری کے ارباب اختیار کے لئے ایک مستقل مسئلہ بن گیا ہے۔

پیشہ ورانہ اور معاشرتی حالات کی پیچیدگیاں

ہر نسل جلد یا بدیر اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ زندگی گزارنا نہ صرف مشکل ہے۔ بلکہ روز بروز دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ خیال کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کام کرنے کے طریقے واقعی بڑھ رہے ہیں اور پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ ہم نئے قوانین، نئے مراسم

اور نئے موضوعات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں پیچیدگی اس طرح بڑھتی ہے کہ پرانی باتیں ختم ہونے سے قبل نئی باتیں آکر ان میں مخلوط ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات نئی باتیں پرانی باتوں کی بنیاد پر استوار ہوتی ہیں۔ زیادہ عرصے کی بات نہیں جب ایک شخص موٹر میں سوار ہو کر اطمینان سے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ٹریفک کے اشارات آگئے اور کئی سہولتوں کے ساتھ ساتھ تکلفات بھی آگئے۔ اب ہر شہر کے سامنے ٹریفک کی رکاوٹیں ہیں اور وہ صرف سبز رنگ کے اشارے کی سمت میں گاڑی لے جاسکتا ہے۔ بعض اشارات سیدھے جانے کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر دائیں بائیں مڑنا ہو تو کسی اور نشان کی رہنمائی کی ضرورت ہے یا پھر ایسے اشارات ہیں جو شام کے ساڑھے چار بجے سے چھ بجے تک کام کرتے ہیں۔ ہم گلیوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر اکثر "بائیں طرف چلو" کے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں کتنے ہی ہوشمند ڈرائیوروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ایسے اچانک موڑوں کی طرف خلافِ توقع مڑ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذالقیاس کسی اسامی کا حاصل کرنا یا اس پر قائم رہنا ایسی ہی پیچیدگیوں کا حامل ہے۔ درخواستوں کے فارم کسی یونین کی ممبری کے قواعد۔ انکم ٹیکس کی کٹوتی وغیرہ آجکل ہر اسامی کے لئے خصوصیات بن گئی ہیں۔ ادھار خرید سامان، بینکنگ، بیمہ، معاشرتی جماعتیں اور بہت سی ایسی ہی باتوں نے خود کفیل زندگی کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ایسے بالغ آدمی کو جو پسماندہ ہو ان تمام باتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اکثر بالغوں کے لئے روزمرہ زندگی کی پیچیدگیاں ان کے سکول یا کالج کے نصاب میں شامل کر لی جاتی ہیں۔ سکول کے باہر مشق کرنے سے طریقِ کار میں ہوشیاری پیدا ہوتی ہے۔ اگر پبلک سکول میں

اس صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے تیاری نہ کرائی جائے تو پس ماندہ کو دوہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان میں وہ معلومات بھی شامل کی جا سکتی ہیں۔ جو پختہ عمر کے ذہنی پسماندہ لوگوں کو برسرکار دیکھنے سے حاصل ہوئی ہیں۔ آسامیوں کے ساتھ جو مراسم وابستہ کر دیئے گئے ہیں وہی پس ماندہ لوگوں کے لئے رکاوٹیں بنتے ہیں۔ انہیں مختلف اوقاتِ کار اور طریقِ کار سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ غلطیاں ہوں تو ساتھی مذاق اڑاتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پسماندہ انسان اسی طرح معاشرے میں جذب ہونے سے گھبرانے لگتا ہے جسطرح مدرسے کی جماعت میں گھبراتا ہے۔

اس سے مدرسے کے حصۂ کارکردگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یعنی پیشہ ورانہ اور معاشرتی ارتباط کے لئے بنیادی تربیت پسماندہ بچوں کے نصاب درسگاہ کا لازمی جزو ہونی چاہیے۔

مدرس سے متعلق مسائل

قابلِ تعلیم پسماندہ بچوں کو باقاعدہ درجات میں تعلیم دینے کے متعلق استاد کے تعمیری حصے کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ یقیناً یہ معلوم کر لینا آسان ہے کہ ان بچوں کے لیے کیا کرنا چاہیے اور کیوں؟ لیکن یہ کہ اس پر عمل کس طرح کیا جائے زیادہ مشکل ہے۔

پسماندہ بچوں کی تربیت میں جو حالات دشواریاں پیدا کرتے ہیں وہ یا تو افرادِ جماعت کے انفرادی اختلافات کا مجموعہ ہوتے ہیں یا معیاری نصاب سے پیدا شدہ دباؤ کا باعث ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں مل کر کسی خاص طرزِ عمل کے مقابلے میں استاد

کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ کیونکہ جماعت میں ترقی سے حدود اختلاف میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے۔ اسلئے دباؤ اور مجبوریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ جوں جوں جماعت تعلیم اور اسکے اثرات میں ترقی کرتی ہے۔ مختلف موضوعات کو سمجھنے میں پسماندہ بچے کی قابلیت کی کمی واضح ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ تیسرے درجے میں اور اسکے بعد اُستاد کو بیک وقت دو محاذوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جماعت کی اکثریت تو اپنے معیاری کام اور نصاب میں مشغول رہتی ہے لیکن پسماندہ بچہ ابتدائی سطح کے کام ہی میں الجھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پانچویں درجہ میں پہنچنے تک وہ باقی جماعت سے عملی طور پر تین یا چار درسی سال پیچھے رہ جاتا ہے۔

ان دو محاذوں کا بیک وقت مقابلہ کرنے کے لیے جو بنیادی مشکلات استاد کے سامنے آتی ہیں ان کا حل صرف بردباری اور ایماندارانہ کوشش ہے۔ یہ کام اکثر ہمت شکن ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اُستاد کی توقعات تمام شاگردوں کے بارے میں یکساں ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو استاد تعلیمی معیار میں ترقی کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ پسماندہ طلبہ کے بارے میں یکساں اعلیٰ توقعات قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جہاں یہ ضروری ہے کہ تعلیمی استعداد کا ضرورت سے کم اندازہ نہ کیا جائے وہاں استاد کو لازماً سمجھ لینا چاہیئے کہ پسماندہ بچے کی معاشرتی تربیت بھی ویسی ہی اہم ہے اس اعتبار سے پسماندہ شاگرد کیلئے درسی استعداد بجائے خود نصب العین نہیں رہتی بلکہ کسی دوسرے نصب العین کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اُستاد کو چاہیئے کہ حتی المقدر پس ماندہ بچے کو درسی استعداد بڑھانے میں مدد دے۔ پھر اس استعداد سے حل مسائل میں کام لینے کے لیے معاون بنے ایسا کرنے کے

لیے بہت سے اساتذہ کو پڑھائی اور ریاضی کے معاملے میں اپنا نقطۂ نظر وسیع کرنا پڑے گا۔ پڑھائی صرف کتب نصاب تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیے۔ مثلاً مطالعہ کو اخبارات کے موزوں حصّوں یعنی ملازمتوں یا خرید وفروخت کے اعلانات تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ کسی اشتہار یا تصویر سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا بھی دراصل ایک طرح کا مطالعہ ہی ہے۔ حساب بھی اسی طرح کے اصول پر مبنی ہے۔ اس میں بعض خاص چیزیں یعنی گنتی پیمانہ جات وغیرہ بار بار یاد کرنا ہوتے ہیں۔ تاکہ ذہن نشین ہوجائیں ریاضی میں مقداروں اور دیگر مختلف قسم کے تصوّرات بحث وعمل کے ذریعے سیکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں نقدی، وقت، جسامت، مسطحات اور ایسے ہی دوسرے موضوعات بھی شامل ہوتے ہیں۔ جن کا جاننا ایک بالغ کے لیے ضروری ہے۔

مدرس کے لئے سب سے مشکل کام فالتو وقت نکالنا ہے۔ اس کے لئے تعلیم دینے کے سوا اور کوئی موثر متبادل طریقہ نہیں۔ جو بچہ علیحدگی میں اپنی جگہ بیٹھ کر اپنی کتب پڑھتا ہے وہ ہرگز اس تعامل کی متحرک قوّت کو نہیں پاسکتا جو استاد اور شاگرد کے تعلقات میں نمایاں ہوتی ہے۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کسی جماعت کا مدرس پسماندہ بچے پر محنت کرنے کے لیے وقت نکالتا ہے تو وہ اس شک میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ آیا یہ وقت دینا کارآمد بھی ہے؟ اس کا جواب واضح ہے۔ اگر استاد کی مساعی پسماندہ بچے کی ترقی میں اسقدر سود مند ہوں کہ وہ ترقی پاکر سن بلوغ کو پہنچے معاشرہ میں اچھی طرح گھل مل جائے اور اسے کسی محتاج خانے میں جانے یا کسی اور طریقے سے معاشرے پر بوجھ بن کر رہنے کی ضرورت نہ پڑے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اُستاد کا وقت ایک اچھی کوشش میں صرف ہوا۔

باقاعدہ اطاقِ درس میں پسماندہ طالب علم کے ساتھ مؤثر انداز میں محنت کا آغاز محض اس طرح ہو سکتا ہے کہ استاد طالب علم کو وہ تمام وقت دیدے جو اپنے فرائض کی انجام دہی سے بچا سکے۔ اس کے بعد بچے کو تعلیمی اور معاشرتی اعتبار سے بہتر بنانے کیلئے محنت کرنی ہو گی اس مقصد کے لئے وقت نکالنے اور ان اسباق و تجربات کے متعلق جو بچے کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی میں معاون ہوں پروگرام مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ استاد سکول اور قوم کی دیگر خدمات کی طرف بھی رجوع کر سکتا ہے۔

پسماندہ بچے کیلئے مجموعی انتظامات

تسلیم کرنا چاہیے کہ مدرس پسماندہ بچے کو باقاعدہ جماعت میں تعلیم دینے کے لئے ایک راہ نما کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔ لیکن اُسکی ذات ایک مکمل اور مستقل دستور العمل نہیں ہے۔ اُستاد سے یہ توقع کرنا کہ وہ جماعت کی اکثریت کی تعلیمی ضروریات کیلئے کافی ہے اور ان بچوں کی ضروریات کو بھی تنہا پورا کر سکے گا جو اونچی استعداد رکھتے ہیں۔ محض ایک خیال ہے اس سلسلے میں بہتر اور موزوں تر طریقِ کار یہ ہے کہ اُستاد جہاں ضروری سمجھے اپنی خدمات پیش کرے اور اپنے کام میں امداد کی خاطر دیگر ماہرین کو طلب کرے۔ یہ ماہرین دوسری درسگاہوں سے متعلق ہو سکتے ہیں اور جب کوئی طالب علم ملازمت کی طرف رجوع کرے تو محکمہ آبادکاری یا اسی قسم کے دوسرے اداروں سے ماہرین کو بلایا جا سکتا ہے۔ تجربہ اور تحقیق ظاہر کرتے ہیں کہ اُستاد کا کام معلومات اور رہنمائی کی خاطر ان ذرائع کو اکٹھا کرنا ہے

ابتدائی مدرسے میں آرٹ، طبعی تعلیم اور موسیقی کے ماہرین سے امداد کی توقع رکھنے میں اُستاد ہر طرح حق بجانب ہوتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ ان ماہرین کو پیش کرنے کے لیے طلبہ کی صلاحیتوں اور خامیوں کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہو یہ حقائق متخصص کے لیے اعانت کا باعث ہوں گے اور وہ بچے کو پوری جماعت کی سرگرمیوں میں شرکت کے لیے موزوں بنا دے گا۔ یوں بچے اور پوری جماعت دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔

لائحہ عمل کی تبدیلیاں

پس ماندہ بچوں کی ترقی کی خاطر ماہرین تعلیم کی خدمات کے پروگرام بنانے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ رجحان دیہات اور کم گنجان آبادی میں کم دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ وہاں ماہرین کو اُستادوں کی کمی اور جگہ کی تنگی محسوس ہوتی ہے یا شاگرد اتنی کافی تعداد میں نہیں ہوتے کہ خاص جماعت کا اہتمام ہو سکے۔ بعض علاقوں میں اساتذہ کی کمی کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے دو نئے طریق کار ترکیب پا رہے ہیں جو یہ ہیں۔

(ا) باہر سے آنے والے اُستاد (ب) امدادِ باہمی کا دستور۔

باہر سے آنے والے اساتذہ کی اہمیت اس موضوع ہی سے ظاہر ہے اور اس پر ان علاقوں میں عمل ہو رہا ہے جہاں آبادی دُور دُور ہے اور تعلیمی یونٹ مختصر ہیں۔ باہر سے آنے والے اساتذہ کی خدمات بالعموم صوبجات یا دیگر بڑے بڑے علاقوں میں حاصل کی جاتی ہیں۔ ایسے اُستاد کا پہلا وظیفہ یہ ہے کہ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے تعلیمی اور معاشرتی مقام کا جائزہ لے اور دیکھے کہ باقاعدہ جماعت میں ان کا درجہ کیا ہو سکتا ہے۔ اسطرح وہ کام زیادہ سر انجام دے جو ماہر نفسیات

انجام دے چکا ہے۔ یہ معلومات حاصل کر چکنے کے بعد باہر سے آنے والا اُستاد مقامی مدرس کے ساتھ مل کر بچوں کیلئے طریقِ کار مقرر کر سکتا ہے۔ مختلف حالات میں دونوں اُستادوں کیلئے ممکن ہے کہ ذمہ داری میں شریک ہوں۔ باہر سے آنے والے اُستاد کا حصّہ کار یہ ہے کہ وہ جماعت کے عام مدرس کے کام میں ہاتھ بٹانے کیلئے شاگرد کے ساتھ انفرادی طور پر محنت کرے۔ یہ طریق اس وقت اور بھی زیادہ ضروری ہوتا ہے جب بچہ واضح طور پر بہت ہی غبی اور پسماندہ ہو۔

اگرچہ ابھی باہر سے آنے والے اُستاد کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ ہم اس طریقِ کار میں کافی ترقی کی اُمید پائی جاتی ہے۔ نیز اُستاد کو خود اپنی ہی بنائی ہوئی ترکیبوں پر کاربند رہنے کیلئے چھوڑ دینے کے بجائے یہ بدرجہا بہتر ہے باہر سے آنے والے اُستاد کے پروگرام کی سب سے بڑی اہمیت اس اُستاد کی علمی استعداد اور تجربہ میں ہوتی ہے۔ اس قسم کے پروگرام اُستاد کو پسماندہ بچوں، ان کے مسائل اور جماعت میں ان مسائل کے اثرات کے بارے میں کافی حد تک باخبر رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مہمان اُستاد کو طریقِ کار ایجاد کرنے اور اس پر عمل کرانے میں ماہر ہونا چاہیئے۔ امدادِ باہمی کے جو حلقے جو بعض ریاستوں میں اختراع کیے گئے ہیں دیہاتی درس گاہوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ بعض ریاستوں میں دیہاتی سپرنٹنڈنٹوں کا فرض ہے کہ جن علاقوں میں طلباء کی تعداد کم ہو وہاں خاص جماعتوں کا اہتمام کرے بعض ریاستیں ایسی بھی ہیں جہاں اس امکان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا علاقائی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے بہت سے ہمسایہ اضلاع کو ملا کر جماعتوں کو ترتیب دے دیا گیا ہے۔ تاکہ وہاں سب جگہوں سے ذہنی پسماندہ قابلِ تعلیم بچوں کو بھیجا جائے۔ خصوصیت یہ

ہے کہ یہ تمام اضلاع مل کر ان جماعتوں کے کل اخراجات کے علاوہ پروگرام کے سربراہ کے اخراجات بھی برداشت کرتے ہیں۔ چند ایک ریاستوں نے اس علاقائی امدادِ باہمی کی تجویز کے فوائد کا اعتراف کیا اور ان کے انتظام یا آمد و رفت کے اخراجات میں امداد کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ علاقائی امدادِ باہمی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسطرح ان پسماندہ بچوں کیلئے خاص جماعتوں میں تعلیم کا انتظام اس پیمانے پر ہو جاتا ہے جس کا بڑے علاقوں کے بچوں کیلئے ہوتا ہے۔ ان جماعتوں کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کا منظور شدہ ہر معیار قائم رکھیں۔ یوں اس امر کا مزید یقین ہو جائے گا۔ کہ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے لیے اس قسم کی تعلیم کا انتظام ضرور ہوگا جس کی انہیں ضرورت ہو۔

Library ... ul-Banat

اُستاد کے لیے معیارِ تشخیص

مدرس کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ اسکے حسنِ کارکردگی کا اندازہ کسی بیرونی جانچ پڑتال سے کیا جائے گا۔ اس کا اپنا تجربہ اور اپنی بصیرت کو تشخیص کے سلسلے میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایک عام جماعت میں پسماندہ بچے کی ترقی اور اس کے معیار کے تعین کیلئے اُستاد کی امداد کی خاطر مندرجہ ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کے معیار کا تعین ان کے ذہنی معیار کے مطابق ان کی سطحِ کارکردگی کے پیشِ نظر کرنا چاہیے اور اُنہیں باقی جماعت کے لیے مقرر کردہ معیار پر نہ جانچا جائے کیونکہ ممکن ہے ایک پسماندہ بچہ اپنی پوری صلاحیت کے مطابق محنت کرتا ہو۔ پھر بھی ترقی کے میدان میں باقی طلبہ سے بہت پیچھے رہ جائے۔

۲۔ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کو ایسے تعلیمی پروگرام پر لگایا جائے۔ جو ایک صحت مند معاشرتی اور جذباتی فلاح سے مطابقت رکھتا ہو۔ یہ امور بچے کی استعداد کی تشخیص کیلئے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کو تعلیمی قابلیت کے عوض نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ دراصل بعض دانشور اس خیال کے مؤید ہیں کہ قابلِ تعلیم ذہنی پسماندہ بچوں کی ترقی کیلئے معاشرتی اور جذباتی کیفیات میں شعور پیدا ہونا بڑا نصب العین ہے۔ تعلیمی ترقی اس منزل تک پہنچنے کا صرف ایک ذریعہ ہے۔

۳۔ دیکھا جائے کہ بچہ سکول کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے۔ آیا وہ ذمہ داریوں سے عہدہ براہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور آیا کمزوریوں کے باوجود وہ اپنے حلقۂ احباب میں مقبول ہے؟ قابلِ تعلیم اور ذہناً پسماندہ بچے کا خود اپنا درجہ متعین کر لینا اُستاد کی تشخیص کا ایک پہلو ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو اُستاد ایک پسماندہ بچے کو باقی طلباء میں شامل کرنے کے قابل ہو تو اسکی کارکردگی جماعت اور پسماندہ بچہ دونوں کی ترقی کے سلسلے میں موثر ثابت ہو گی۔ بڑھتے بڑھتی ہوئی محرومیت کے خلاف احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پسماندہ بچے کی ترقی کا ایک باقاعدہ ریکارڈ مفید مطلب امتحانوں اور واقعات کی مطابقت سے رکھا جائے۔ ہر ریکارڈ سہو د نسیان کی لغزشوں سے محفوظ رکھے گا۔

بعض بچوں کے سلسلے میں ترقی اس قدر سُست ہوتی ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تجزیہ سے محسوس ہی نہیں ہوتی۔ لہذا اندازے کیلئے لمبا وقفہ مقرر کیا جانا ضروری ہے اور ریکارڈ اس سلسلے میں ہر ممکن امداد کا باعث ہو گا۔ اگر تبدیلی اور تحصیل کی رفتار سُست اور خفی ہو اساتذہ کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ شرح تبدیلی و ترقی حقیقت میں ذہنی صلاحیت کی مطابقت پر منحصر ہے اُستاد کی کوشش کے اہم اور امید افزا نتائج ہر طرح سود مند تبدیلیوں کے مظہر ہوں گے۔

مؤسسۂ فرینکلن کی چند مطبوعات

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن ایک غیر تجارتی ادارہ ہے۔ اس کا کام خود کتابیں چھاپنا اور فروخت کرنا نہیں بلکہ یہ ادارہ اچھی انگریزی کتابوں کے اردو تراجم شائع کرنے میں پاکستانی ناشرین سے تعاون کرتا ہے۔ یہ اشتہار اور فروخت کا انتظام بھی صرف معاون ناشرین کی حوصلہ افزائی اور فائدے کے لیے ہے کیونکہ اس طرح شائقینِ کتب کو بہ سہولت ایک ہی مرکز سے ہمارے سب معاون ناشرین کی کتابیں مل جاتی ہیں۔ اس فروخت کی پوری آمدنی آخرکار ناشروں کو منتقل ہو جاتی ہے۔

Banat.

Libra

صحت اور طب

بچہ اور اس کی دیکھ بھال

تصنیف: ڈاکٹر بنجمن سپاک
ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبد القوی لقمان

اس ضخیم کتاب میں بچوں کی نگہداشت، ان کی غذا اور بہبود کے جملہ وسائل کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا

جاسکتا ہے کہ انگریزی زبان میں اس سے اسّی لاکھ سے زائد نسخے فروخت ہو چکے ہیں۔

صفحات ۴۰۸ قیمت قسم اوّل - دس روپے
قسم دوم - چھ روپے پچاس پیسے

تمھارا جسم کیوں کر کام کرتا ہے؟
تصنیف: ہرمن وینا شنائیڈر
ترجمہ: خلیق ابراہیم خلیق

یہ دنیا بہت سی عجیب و غریب مشینوں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن آپ کے جسم سے زیادہ پیچیدہ اور حیرت انگیز مشین کوئی نہیں۔ انسانی مشین کے کل پرزوں سے واقفیت حاصل کرنے میں یہ کتاب آپ کو مدد دے گی۔

صفحات ۱۶۰ قیمت چار روپے پچاس پیسے

تمھاری تندرستی (طبع دوم)
تصنیف: جے روزویل گیلاکر
ترجمہ: مولانا عبدالمجید سالک

ہر شخص تندرست رہنے کا خواہشمند ہے۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیئے اس کتاب سے ضروری معلومات حاصل کیجیے۔

صفحات ۷۲ قیمت دو روپے

میرے اندر کیا ہے؟
تصنیف: ہربرٹ ایس۔ زم
ترجمہ: غلام رسول مہر
نظر ثانی: ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان

انسانی جسم کے متعلق بچوں اور بڑوں کے لیے ایک مفید پُر از معلومات

مختصر کتاب - خوبصورت رنگین تصاویر سے مزین -

صفحات ۳۴ قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے

تصنیف : جے روز ویل گیلاگر

آپ کے بچے کی صحت (طبع سوم)

ترجمہ : شاہد احمد دہلوی

بچوں کی ذہنی پریشانیوں، جذباتی الجھنوں اور طبعی بیماریوں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے -

صفحات ۸۸ قیمت ایک روپیہ پچھتر پیسے

تصنیف : آڈرین ایم - جوسلین

بیماری کے جذباتی اور نفسیاتی پہلو (طبع دوم)

ترجمہ : سید وقار عظیم

مصنف نے بچے کی بیماری کو بحث کا موضوع بنا کر والدین اور اساتذہ کے سامنے نہایت مدلل انداز میں اظہار خیال کیا ہے -

صفحات ۸۸ قیمت : ایک روپیہ پچھتر پیسے

تصنیف : ملی سینٹ ای - سیلسم

جڑی بوٹیوں سے علاج

ترجمہ : حکیم حبیب اشعر

دنیا بھر کی جڑی بوٹیوں کی مختصر تاریخ، ان کے کیمیائی خواص اور طریق علاج - آج کی پیٹنٹ ادویہ، گولیوں اور کیپسولوں میں استعمال ہونے والی جڑی بوٹیوں کے کیمیائی اجزا کے کوائف -

صفحات ۱۰۰ قیمت : دو روپے پچاس پیسے

ایامِ حمل سے زچگی تک

(ماؤں کے لیے ہدایات)

تصنیف: نکلسن جے۔ ایسٹمین ایم ڈی

ترجمہ: مسز افتخار بانو، پروفیسر عبدالواحد

ہونے والے بچے کی صحت کا دارومدار ماں کی صحت پر ہے۔ اس کتاب میں ایسی ہی ہدایات ہیں جو حاملہ کے لیے اپنی صحت برقرار رکھنے میں ممد ثابت ہوں گی۔

صفحات ۲۸۶ قیمت: چھ روپے

اتفاقات جو عظیم طبی کارنامے بن گئے

تصنیف: روڈ ایکس

ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان

طب کے میدان میں اتفاقات جنھوں نے نہ صرف انسان کے علم میں قابلِ قدر اضافہ کیا بلکہ فنِ علاج کو عروج تک بھی پہنچایا۔

صفحات ۳۰۰ قیمت: پانچ روپے

معلوماتِ عامہ کے کتابچے

امریکا کی "پبلک افیئرز کمیٹی" نے اس طرح کے کتابچوں کا ایک سلسلہ شائع کیا ہے جن کا ترجمہ اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کے مطالعے سے آپ ذاتی اور معاشرتی مسائل کو بہتر طریق پر حل کر سکیں گے۔

عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب طباعت

دل کے امراض اور ان کی روک تھام

تصنیف: آلٹن ایل۔ بلیکسلی

ترجمہ: ڈاکٹر ایس۔ اے۔ حیدر

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے۔

بن ماں یا باپ کا کنبہ	تصنیف: اینا ڈبلیو۔ایم ڈلف لوسل شانئن ترجمہ: سید عابد علی عابد قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے
کوئی بھوکا نہ رہے	تصنیف: میکسویل ایس۔ سٹورٹ ترجمہ: پروفیسر محمد عثمان قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے
ہمسائے کی تندرستی آپ کی ذمہ داری ہے	تصنیف: ایلبرٹ کیو۔ میزل ترجمہ: محمد سعید قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے
طبی تحقیق آپ کو مہلک امراض سے بچا سکتی ہے	تصنیف: گلبرٹ کانٹ ترجمہ: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے
آپ کے بچے کی سلامتی	تصنیف: ہیری الیٹ۔ ڈیٹرش ترجمہ: سید وقار عظیم قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے
بچوں کو کام کرنا سکھائیے	تصنیف: ارنسٹ اوسبورن ترجمہ: ظہور الحق فاروقی قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

بچّوں کو نظم وضبط کا خوگر بنائیے	تصنیف : ڈارتھی بردک ترجمہ : سیّد عابد علی عابد قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
سگرٹ اور صحت	تصنیف : پیٹ مک گریڈی ترجمہ : حکیم حبیب اشعر قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
پُرمسرت ازدواجی زندگی	تصنیف : ڈیوڈ آر۔ میس ترجمہ : لطف اللہ خان نظمی قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
اپنے معذور بچے کی مدد کیجیے	تصنیف : سیموئل ایم ۔ وائی ٹنک ترجمہ : محمد سعید قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
تین سال سے چھ سال کی عمر تک	تصنیف : جیمز ایل ۔ ہائیمز جونیئر ترجمہ : سیّد وقار عظیم قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
بہتر انسانی تعلقات	تصنیف : لوسی فریمین ترجمہ : منظر انصاری دہلوی قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے

مؤسسہ مطبوعاتِ فرینکلن، ۶۶ مزنگ روڈ، پوسٹ بکس ۳۶۹ لاہور

بچے کا احساس ذمہ داری	تصنیف : ایڈتھ جی - نیسر ترجمہ : منظر انصاری دہلوی قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
سرطان اور اس کا علاج	تصنیف : ڈاکٹر ڈیلس جانسن ترجمہ : ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
جب کسی گھر کو سرطان کا سامنا ہو	تصنیف : ایلز بتھ اوگ ترجمہ : ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
حیاتین اور تندرستی	تصنیف : ولیم رُوبن ترجمہ : ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
اعصاب زدگی	تصنیف : جارج ایس - سٹیونسن ترجمہ : ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے
ذیابطیس کے نامعلوم مریض	تصنیف : گراف کانکلن ترجمہ : ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان قیمت : ایک روپیہ پچاس پیسے

مؤسسۂ مطبوعات فرنیکلن ۶۶ مزنگ روڈ پوسٹ بکس ۳۶۹ لاہور

آپ کا دل اور اس کی دیکھ بھال

تصنیف: ہارڈ بلیکیلی

ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبدالقوی لقمان

قیمت، ایک روپیہ پچاس پیسے

قوّتِ حافظہ کو بہتر بنانے کے طریقے

تصنیف: ڈونلڈ اے۔ لیرڈ

ترجمہ: عبدالحمید صدیقی

کیا آپ حافظے کی کمزوری کے باعث پریشان ہیں؟ اس کتاب میں چند ایسے گر بتائے گئے ہیں جن پر عمل کر کے آپ آسانی سے اپنا حافظہ بڑھا سکتے ہیں۔ صفحات ۲۲۳ قیمت: پانچ روپے

کتابیں جنھوں نے دُنیا بدل ڈالی

تصنیف: رابرٹ بی۔ ڈاؤنز

ترجمہ: غلام رسول مہر

اس ایک کتاب میں پوری سولہ ایسی شہرۂ آفاق کتابوں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جنھوں نے تاریخ کا دھارا اور دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ مثلاً میکیاولی کی "کتاب الملوک" کارل مارکس کی "سرمایہ" اور ہٹلر کی "میری جدّوجہد" اردو ادب میں اس کتاب کا وجود ایک مفید اضافہ ہے۔

صفحات ۲۰۴ قیمت: چھ روپے

کتابخانہ / محمد ہارون موسیٰ

اساتذہ کے لئے تحقیق کی روشنی

تعلیمی تحقیق اُستاد کے لئے کئی طرح سے مفید ہے۔ معلومات میں جو اضافے آئے دن ہوتے رہتے ہیں وہ ان سے باخبر رہتا ہے۔ اُسے ایسے نکتے حاصل ہو جاتے ہیں جن سے وہ اپنے تدریسی کام کی اصلاح کر لیتا ہے اور اُسے خود نئی دریافتیں کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ لیکن تعلیمی تحقیق کا مواد اتنا زیادہ ہے اور اتنی مختلف تصانیف میں بکھرا پڑا ہے کہ ایک عام استاد کو اس کا جائزہ لینے کی فرصت ہی نہیں ہو سکتی۔ امریکہ میں تعلیمی تحقیق کے لئے ایک اعلیٰ ادارہ قائم ہے۔ اس ادارہ نے سالہا سال کی محنت اور تفتیش کے بعد تحقیق کر کے اساتذہ و والدین کی رہنمائی کے لئے یہ کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کے مستند اور سلیس اُردو ترجمے آپ کے مطالعہ کے لئے شائع کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیمی تحقیق کے اہم ترین اور مفید ترین نتائج مرتب کر کے استاد و والدین کی مدد کی جائے۔

کتاب	مصنف	مترجم
۱۔ خداداد ذہانت رکھنے والے بچے اور ان کی ابتدائی تعلیم	جیمز جے۔ گیلاگر	محمد ظہور الحق فاروقی
۲۔ زیر نگرانی مطالعہ اور گھر کا کام	روتھ سٹرینگ	سید سجاد ناظم زیدی
۳۔ معاشرتی علوم کی تدریس	جوناتھن سی میکینڈزلن	انعام علی قریشی
۴۔ نو عمروں کی جرم پسندی	ولیم سی کواسے سیس	ملکہ رضوی
۵۔ خوشخطی کی تدریس	فرینک ای۔ فری من	محمد ظہور الحق فاروقی
۶۔ سمعی بصری آموزش	پال آر۔ وینٹ	ملکہ رضوی
۷۔ کنڈر گارٹن کی تعلیم	ہلڈا بتھ ایم۔ فر	ملکہ رضوی
۸۔ بچے کی شخصیت اور اس کی ماحول سے مطابقت	رالف ایچ۔ اوجیمان	سید منظور محمد بخاری
۹۔ تعلیم حاصل کرنے کا عمل	ولیم کلارک ٹرو	گل محمد جسکانی
۱۰۔ سائنس کی تدریس ثانوی مدارس میں	جے۔ ڈاریل برنارڈ	انعام علی قریشی
۱۱۔ حساب کی تدریس	آر۔ ایل۔ مارٹن	گل محمد جسکانی
۱۲۔ ہائی سکول میں تدریس ریاضی	ایڈورڈ ایف۔ فیز	ممتاز علی جعفری
۱۳۔ ابتدائی اور ثانوی مدارس میں گروہی کارروائیاں	لوئی ایم۔ سمتھ	محمد ظہور الحق فاروقی
۱۴۔ تدریس کے لئے جماعتی تنظیم	جے وین رائٹ سٹون	سید منظور محمد بخاری
۱۵۔ ہجوں کی تدریس	ارنسٹ ہارن	سید سجاد ناظم زیدی
۱۶۔ پڑھنا کیسے سکھایا جائے	آرتھر گیٹس	سید منظور محمد بخاری
۱۷۔ اجتماعی تعلقات	جین ڈی۔ گریبز	
۱۸۔ مضمون نویسی کی تدریس	ایلزبتھ۔ ٹی۔ بروز	
۱۹۔ فوقانی مدرسے میں رہنمائی	لیو۔ سی۔ سنے	
۲۰۔ ابتدائی مدارس میں سائنس	جیرالڈ ایس۔ کریگ	
۲۱۔ والدین اور اساتذہ میں رابطہ	اورنگ ڈبلیو۔ شاٹ / تھریس لینگمنٹن	
۲۲۔ طلباء کی ترقی کا جائزہ اور اس کا کیفیت نامہ	جان ڈبلیو۔ ایم۔ روتھنی	... سر ساجد

باتصویر، طباعت آفسٹ، کاغذ عمدہ ۔ ہر کتاب کی قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
لاہور / پشاور ○ کراچی / حیدرآباد

9
4Z
.
97.